فروغِ مرثیہ

سہ ماہی

کینیڈا

(پچیسواں شمارہ)

ساتواں سال

نومبر ۲۰۲۶ء بمطابق جمادی الاوّل ۱۴۴۸ھ

ایڈیٹر
اصغر مہدی اشعر

اِس شمارے میں شامل مضامین، تنقیدی رائے یا شعری وفکری خیال سے اِدارے کا متفق ہونا ضروری نہیں

ادارے کی انچاسویں پیش کش

فروغِ مرثیہ

سہ ماہی

کینیڈا

(ساتواں سال)

نومبر ۲۰۲۶ء بمطابق جمادی الاوّل ۱۴۴۸ھ

ایڈیٹر

اصغر مہدی اشعر

جملہ حقوق بحقِّ فروغِ مرثیہ انٹرنیشنل محفوظ ہیں

عنوان	:	فروغِ مرثیہ (پچیسواں شمارہ)
اشاعت	:	نومبر ۲۰۲۶ء
تعدادِ اشاعت	:	۵۰۰
ایڈیٹر	:	اصغر مہدی اشعر
ناشر	:	فروغِ مرثیہ انٹرنیشنل، کینیڈا
طابع	:	RB پرنٹرز اینڈ پبلشرز، کراچی
قیمت فی شمارہ	:	۱۵/ڈالر، ۱۰/پونڈ
ای میل	:	faroghemarsiya@gmail.com

''فروغِ مرثیہ (شمارہ) میں شائع ہونے والے تمام مضامین، تنقیدی آراء، تبصرے، اور شعری و فکری خیالات متعلقہ مصنّفین کے ذاتی نظریات کی عکاسی کرتے ہیں۔ ادارہ اور ایڈیٹر ان خیالات سے متفق ہونا ضروری نہیں سمجھتے اور نہ ہی ان کے مندرجات کی مکمل صحت یا جامعیت کی ضمانت دیتے ہیں۔

ادارہ اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ شائع شدہ مواد معیاری اور مستند ہو، تاہم کسی بھی قسم کی سقم، غلطی یا تشریحی اختلاف کی صورت میں ادارہ اور ایڈیٹر کسی ذمہ داری کے پابند نہیں ہوں گے۔

اس شمارے میں شامل تمام مواد (بشمول تحریر، تصاویر، اور دیگر اشاعت) کے جملہ حقوق محفوظ ہیں۔ ادارے کی پیشگی تحریری اجازت کے بغیر کسی بھی مواد کو جزوی یا کلی طور پر نقل، اشاعت، ترسیل یا کسی بھی شکل میں استعمال کرنا ممنوع ہے، سوائے اس کے کہ مناسب حوالہ کے ساتھ محدود اقتباس کیا جائے۔

کسی بھی تحریر میں پیش کیے گئے دعوے، حوالہ جات یا آراء کی ذمہ داری متعلقہ مصنف پر عائد ہوتی ہے۔ ادارہ اور ایڈیٹر کسی بھی بیرونی حوالہ، لنک یا مواد کے بارے میں ذمہ دار نہیں ہیں۔



فروغِ مرثیہ

سہ ماہی

کینیڈا

ترتیب

۱۔اداریہ ---------- اصغر مہدی اشعر (کینیڈا) ---------- ۴

۲۔ سلام ومنقبت پروین رضوی (کراچی)، اختر آصف زیدی (کینیڈا)، کلیم ظفر (کینیڈا)، میر یوسف میر (کینیڈا)، محکم عابدی (انڈیا)، ڈاکٹر مظہر عباس رضوی (پاکستان) ---------- ۵

۳۔ ضامن جعفری: شاعرِ اہلبیتؑ، ماہرِ لسانیات ---------- اصغر مہدی اشعر (کینیڈا) ---------- ۹

۴۔تعارف وغیر مطبوعہ مرثیے۔سیّد غلام عباس ناصر زیدپوری ------ مقاصد مہدی زیدپوری (انڈیا) ---------- ۱۷

۵۔غیر مطبوعہ مرثیہ۔وجیہ نخیلہ ---------- عادل مختار (پاکستان) ---------- ۵۱

۶۔صنفِ سلام کو انیس کا تحفہ ---------- علی عرفان (کینیڈا) ---------- ۵۶

۷۔کربلا کے تناظر میں معرکۂ وجود کا شاعر۔سیّد اقبال حیدر ---------- پروفیسر ناشر نقوی (انڈیا) ---------- ۵۹

۸۔غیر مطبوعہ مرثیہ۔علمدارِ وفا ---------- ڈاکٹر وجیہ بخاری (آسٹریلیا) ---------- ۶۵

۹۔مختصر غیر مطبوعہ مرثیے ---------- عسکری عارف (انڈیا) ---------- ۷۳

۱۰۔علمِ عروض پر خدائے سخن مرزا سلامت علی دبیر کے اقتدارِ کامل کا ایک اجمالی تذکرہ ------ عامر الرضوی (انڈیا) ---------- ۷۹

❁❁❁❁

اداریہ

اصغر مہدی اشعر

فروغِ مرثیہ کا پچیسواں شمارہ آپ کے پیشِ نظر ہے، لیجیے دیکھتے دیکھتے اس شمارے کی اشاعت کا ساتواں سال شروع ہو چکا ہے، رثائی ادب کی تقلید کرتے ہوئے اور ڈاکٹر ہلال نقوی کی رہنمائی ان شماروں کی اشاعت میں شاملِ حال رہی اور خدا کا شکر ہے کہ ان تمام شماروں میں فروغِ اردو، فروغِ ادب اور فروغِ مرثیہ کے علاوہ کسی اور موضوع کو جگہ نہیں دی گئی۔ اس میں شک نہیں کہ ان شماروں کے ذریعے ہمیں کئی مرثیہ نگاروں سے آشنائی ہوئی، کئی نئے نثر نگار اور نقّاد سامنے آئے اور ان شماروں پر تحقیق کے لیے کچھ جامعات نے تھیسس کے موضوعات بھی منتخب کیے۔

میں ان اداریوں میں آپ سے براہِ راست مخاطب ہوتا ہوں، آج آپ سے بات کرتے ہوئے ساتواں سال ہے اور فروغِ مرثیہ انٹرنیشنل کی پہلی اشاعت کا بھی ساتواں سال یعنی سات سال سے یہ ادارہ آپ کے سامنے مرثیے کی جامع کتب اور رسائل پیش کر رہا ہے اور ان شاءاللہ پچاسویں پیش کش بھی جلد آپ کے سامنے ہوگی۔

''دبیرؔ کے مرثیے'' پر میں نے ۲۰۲۱ء میں کام شروع کیا تھا، یہ لکھتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ ''دبیرؔ کے مرثیے'' پر تحقیق و تدوین مکمل ہو چکی ہے اور جلد ہشتم اور نہم جلد اشاعت کی منازل عبور کرنے جا رہی ہیں یعنی۔ ۱۵۰ سال بعد دبیرؔ کے ۴۶۰ مرثیے عوام الناس کی دسترس میں ہیں، میں نے اپنے حصّے کی محنت مکمّل کی، ادب اہلِ ادب سے اُمید ہے کہ وہ بھی اپنے حصّے کا کام مکمل کریں گے اور دبیرؔ پر تحقیق کا آغاز ہوگا۔

فرہنگِ مرثیہ میری ادبی زندگی کا سب سے بڑا منصوبہ ہے، مرثیے کی دنیا کا احاطہ، وہ بھی ۱۵۰۳ء سے آج تک، ۶۰۰ کتب، ۷۰۰ سے زائد مرثیہ نگار، ۵۱۰۰ مرثیے اور ۲۵۰۰۰/الفاظ پر مشتمل فرہنگِ مرثیہ اگلے سال ۴ جلدوں میں شائع ہوگی اور آپ مختلف شعرا کے کلام اور ان کی فرہنگ سے مستفید ہو سکیں گے۔

سیّد جاوید حسن صاحب اور ان کی مرثیے سے محبت اور تحت خوانی سے کون واقف نہیں، جاویدؔ صاحب کی نئی کتاب نصاب تحت اللفظ خوانی، فروغِ مرثیہ انٹرنیشنل کے پلیٹ فارم سے شائع ہو چکی ہے اور ای مرثیہ پر جلد اس کتاب کی پی ڈی ایف موجود ہوگی تا کہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں قارئین کے سامنے پیش کی جا سکے۔

پچھلے دس سالوں کو پلٹ کر دیکھوں تو بہت سی ایسی ہستیاں ہیں جن کی رہنمائی کی بدولت یہ سفر کامیابی کے ساتھ جاری ہے، ان ہی میں سے ایک بزرگ ہستی ضامنؔ جعفری صاحب کی ہے جن کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے، ضامنؔ صاحب کی خدمات پر میرا ایک مضمون اس شمارے میں شامل ہے اور آپ سب سے ان کی بلندیِ درجات کے لیے سورۂ فاتحہ کی گذارش ہے۔

طالبِ دعا
اصغر مہدی اشعر
۲۰/اکتوبر ۲۰۲۶ء
ملٹن، کینیڈا

منقبت

پروینؔ حیدر رضوی

ہے افتخارِ نسل کہ بر تر بنا دیا — مفلس کی لاج رکھ کے تونگر بنا دیا
اس دل کی دھڑکنیں ہیں کہ نوبت دھمال کی — عشقِ علیؑ نے مجھ کو قلندر بنا دیا
حرؑ آ گیا پلٹ کے گماں سے یقیں کی سمت — قطرے کو اک نظر نے سمندر بنا دیا
آنے لگی افق پہ سماعت کے روشنی — رحلِ نظر پہ خم کا جو منظر بنا دیا
قدموں پہ جس کے وقت کی گردش رکی رہی — بے زر پہ کی نگاہ تو بوذرؓ بنا دیا
معلوم تھا یہ بنتِ اسد کو کہ در ہے بند — اللہ نے جدار میں اک در بنا دیا
ہے لہجۂ علیؑ میں تکلم رسولؐ سے — معراج کا سماں سرِ بستر بنا دیا
"روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ" — ہر بے نسب علیؑ کے برابر بنا دیا
بن جائے زخم شیخ کا ناسور اس لیے — پالان کا غدیر میں منبر بنا دیا
اک کردگارِ حسن کو پیکر میں ڈھال کر — تخلیق کارِ دہر نے اکبرؑ بنا دیا
پروینؔ میں ازل سے ہی میثمؑ مزاج ہوں — لہجے میں کاٹ رکھ کے سخنور بنا دیا

❁❁❁❁

سلام

اختر آصفؔ زیدی

حرفِ حق سے مِل رہا ہے ہم کو زادِ حرفِ حق — فرشِ حرفِ حق بچھایا ہے ، بیادِ حرفِ حق
اے حُسینؑ ابنِ محمدؐ ، اے عمادِ حرفِ حق — اے وقارِ ہاشمیّہ ، اے نِژَادِ حرفِ حق
اے شہیدِ حرفِ حق ، اے قاریِ نوکِ سناں — تُو علاقہ ، تُو ہی سرحد ، تُو سَوادِ حرفِ حق
خانۂ کعبہ کی نظریں بھی یہیں مرکوز ہیں — کربلا میں تُو نے رکھی ہے نِہادِ حرفِ حق
کون نفسِ مطمئن ہے ، اِرجعی ، کس نے کہا! — حرفِ حق سے ، حرفِ حق نے ، پائی دادِ حرفِ حق
عونؑ و جعفرؑ ، قاسمؑ و اصغرؑ ، بنامِ کربلا — بچّے بچّے کو ہے حاصل اعتمادِ حرفِ حق
کیا کِیا تُو نے مقصّر ! طاقتِ دینار پر — اِجتہادِ حرفِ حق میں ، اجتہادِ حرفِ حق

حرفِ حق نے دے دِیا آصفؔ قلم تم کو تو پھر آخری دَم تک کیے جاؤ جہادِ حرفِ حق

❁❁❁❁

سلام

کلیمؔ ظفر

فنا پر ہو نہیں سکتا کبھی انجام ہستی کا شہادت ہی شہادت ہو جہاں پیغام ہستی کا
یہ کہتے دار سے میثمؓ علیؑ کے عشق میں گزرے بنا دیتے ہیں مولا موت کو انعام ہستی کا
اُسی کے نام ہو بازارِ ہستی کا ہر اک سودا لگایا مرضیِ معبود جس نے دام ہستی کا
عذابِ قبر توبہ یہ زیارت گاہِ مولاؑ ہے نہیں بھاتا مگر واعظ کو یہ آرام ہستی کا
مئے حُبِّ علیؑ کا جام پی کر دیکھ لے دنیا یہ شیشہ دُور کر دیتا ہے ہر ابہام ہستی کا
پلٹ کر حکمِ حیدرؑ پر یہ ہی سورج نے بتلایا بجز تعمیلِ حق کچھ بھی نہیں اسلام ہستی کا
کتابِ دل میں بعدِ کربلا ترمیم کیا کہنا حسینیتؑ رکھا دل نے بدل کر نام ہستی کا
وہ دیکھو شام کے لشکر سے حرؑ صبح دم نکل آیا فنا آشام لشکر میں بھلا کیا کام ہستی کا
اگر یہ دولتِ غم اعتبارِ جاں نہ بن جائے نفس کی آمد و شُد ہے خیالِ خام ہستی کا
ہدایت کا ستوں ڈھا کر ملے گا کیا مسلمانو نجف سے کربلا تک ہے یہ ہی کہرام ہستی کا
اسے قرآن سمجھو یا علی اصغرؑ کہو اس کو ہے دستِ شاہؑ والا پر کوئی گلفام ہستی کا
کلیمؔ اب خلد میں ہر اک سے یہ جا جا کے کہتے ہیں مدحِ مولاؑ کی خاطر تھا ہر اک اقدام ہستی کا

❁❁❁❁

سلام

میر یوسف میرؔ

مصرعِ طرح: دوشِ رسولؐ پاک پہ ہیں بت شکن کے پاؤں

پہنچے کہاں کہاں نہیں شاہؑ زمن کے پاؤں ''دوشِ رسولؐ پاک پہ ہیں بُت شکن کے پاؤں''
محوِ کلام پردے کے پیچھے یہ کون ہے معراج پا گئے ہیں شہؑ ذوالمنن کے پاؤں
کیا کیا کرامتیں ہیں شہؑ ذوالفقار کی دوشِ ہوا پہ ٹھہرے ہیں خیبر شکن کے پاؤں

چوموں گا بار بار میں چھوڑوں نہ ایک پل — دیکھوں میں خواب میں جو کبھی پنجتنؑ کے پاؤں
ہٹتی نہیں کسی کی نظر ایک پل کو بھی — ہیں دلفریب اصغرؑ غنچہ دہن کے پاؤں
سایہ بھی تھا نہ جسکا وہ پیکر تھا نور کا — اکبرؑ نے پائے ہیں اسی موجز بدن کے پاؤں
تھے پیچھے پیچھے بھائی کے ہر گام ہر گھڑی — دشت بلا میں نقش ہیں مولا حسنؑ کے پاؤں
ہیں کربلا سے شام کی جانب رواں دواں — یہ ساربان کے پاؤں ہیں اک خستہ تن کے پاؤں
یوں ہی نہیں کلام میں ہے میرؔ کے مزہ — دھو کر پیا ہوں حیدرؑ شیریں سخن کے پاؤں

❁❁❁❁

سلام (بعنوانِ تشنگی)

محکمؔ عابدی

اے قلم! لکھنا لہو سے سانحاتِ تشنگی — فکر کے صحرا میں جاری ہے فراتِ تشنگی
وہ فضائے غم ، گھٹائیں ، بارشِ اشکِ عزا — وہ محرّم ، سوز و ماتم ، مضمراتِ تشنگی
صف بہ صف دریا کھڑے ہیں ، دشت میں کاسہ بکف — بٹ رہی ہے دستِ کوثر سے زکاتِ تشنگی
اے عطش کے پھول! تیرے خشک ہونٹوں کی قسم — چھ مہینے ہیں ترے ، خضرؑ حیاتِ تشنگی
یہ عزا خانے بھی ہیں ، صبر و وفا کے مدرسے — مجلسِ شبّیرؑ یعنی دینیاتِ تشنگی
بج رہے ہیں شادیانے ، سج رہا ہے شہر کیوں؟ — کیا چلی آتی ہے نیزوں پر براتِ تشنگی؟
میں یہاں پانی نہیں، کوزے میں بھر لیتا ہُوں پیاس — تیرے مشکیزے سے بہتی ہے فراتِ تشنگی
داخلہ دریا کا تجھ میں کربلا! ہو کس طرح — دفن ہے تیری زمیں میں کائناتِ تشنگی
نہر میں ڈوبے ہیں پھر بھی ہاتھ تک بھیگے نہیں — ہے یہ معراجِ وفا ، یا معجزاتِ تشنگی؟
زندگی بخشی نہ ہوتی گر لبِ معصوم نے — عصرِ عاشورہ کو ہو جاتی وفاتِ تشنگی
پڑھ رہا ہُوں میں نمازِ مدحِ عبّاسؑ جری — یُوں ادا میں کر رہا ہُوں واجباتِ تشنگی
پیاس کی شدّت بھی ہے ، لب پر شکایت کے بغیر — نازشِ کوثر ہے صحرا میں ثباتِ تشنگی
داخلے کو مکتبِ خوشنودیٔ عباسؑ میں — رہ کے پیاسا ، پا رہا ہُوں تجرباتِ تشنگی
کس کو کہتے ہیں عطش ، اور پیاس کی قِسمیں ہیں کیا؟ — پُوچھ لے دُنیا ، سکینہؑ سے صفاتِ تشنگی
سینۂ قرطاس سے اُٹھنے لگا ہے کیوں دھواں؟ — کیا رقم کرتے ہیں محکمؔ ، واقعاتِ تشنگی

❁❁❁❁

سلام

ڈاکٹر مظہر عباس رضوی

کرب و بلا کا طے جو کرے ریگ زارِ عشق
پاتا ہے وہ مقام سرِ مرغزارِ عشق

ملتی ہے معرفت کی قبا خوش نصیب کو
ہے یہ لباس جس میں ہے ایک ایک تارِ عشق

سرمَستی و جنونِ عزادار دیکھیے
ماہِ عزا ہے اصل میں ماہِ بہارِ عشق

تیر و تبر نڈھال تھے سینوں کی ڈھال پر
اصحاب باندھ کر تھے کھڑے واں حصارِ عشق

پیری میں بھی حُسینؑ کی نُصرت کو آ گیا
بے شک حبیبؑ جیسا نہیں جاں نثارِ عشق

سہ شعبہ تیر کچھ نہ تھا اصغرؑ کے سامنے
لوہے کو کاٹ ڈالتی ہے تیز دھارِ عشق

شانے کٹے ہوں ، آنکھ میں پیوست تیر ہو
کم کوئی ظلم کر نہیں سکتا خمارِ عشق

دُلدُل کی سرفرازی و جوشِ جنوں نہ پوچھ
رہوار پر سوار ہو جب شہ سوارِ عشق

زنجیر زن کے خوں کی ہر اک بوند قیمتی
ہر دم بڑھاتی جاتی ہے یہ اعتبارِ عشق

پل بھر عُدو نہ ٹھہر سکا اُس کے سامنے
تیغِ حسینؑ بن گئی جب ذوالفقارِ عشق

راہِ خدا میں جس نے بھرا گھر لُٹا دیا
ابنِ علیؑ سوا ہے کوئی تاجدارِ عشق؟

بہلول ہیں کہیں پہ تو میثمؑ کہیں پہ ہیں
ہر اِک کا اپنا راستہ ، اپنا مدارِ عشق

ہوتا نہیں خسارہ کبھی ایسے کام میں
مظہرؔ عزائے شاہؑ ہو جب کاروبارِ عشق

❁❁❁❁

www.emarsiya.com

دنیا کی سب سے بڑی ڈیجیٹل مرثیہ لائبریری جہاں آپ انیسؔ و دبیرؔ کے مکمل مطبوعہ مراثی کے علاوہ ۳۲۰ مرثیہ نگاروں کے ۴۰۰۰ سے زائد مراثی حاصل کر سکتے ہیں۔ سوزخواں خواتین و حضرات کے لیے بستۂ سوزخوانی کا بھی انتظام ہے۔ اگر آپ مزید مراثی اس ویب سائٹ پر شامل کرنا چاہیں تو اس ای میل پر رابطہ کریں۔ faroghemarsiya@gmail.com

ضامنؔ جعفری

شاعرِ اہلِ بیتؑ، ماہرِ لسانیات اور علم وادب کی ایک معتبر شخصیت

اصغر مہدی اشعر

اردو ادب کی تاریخ میں بعض شخصیات ایسی ہوتی ہیں جن کی شناخت کسی ایک ادبی صنف، کسی ایک فکری رجحان یا کسی ایک تخلیقی حوالے تک محدود نہیں رہتی۔ ان کی شخصیت کے مختلف پہلو مل کر ایک ایسی جامع تصویر تشکیل دیتے ہیں جس میں تخلیقی صلاحیت، علمی بصیرت، زبان و بیان کا شعور، تہذیبی وابستگی اور کردار کی پختگی یکجا ہو جاتی ہے۔ جناب ضامن جعفری کا نام بھی ایسی ہی ادبی شخصیات میں شمار ہوتا ہے جن کے ذکر میں شاعری، لسانیات، لفظ شناسی، فارسی زبان سے شغف، مزاح نگاری اور اہلِ بیتِ اطہارؑ سے عقیدت کے مختلف رنگ سامنے آتے ہیں۔

جناب ضامنؔ جعفری کی شخصیت کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک طرف شاعرِ اہلِ بیتؑ کی حیثیت سے ان کی عقیدت مندانہ وابستگی نمایاں ہوتی ہے، تو دوسری طرف اردو زبان و ادب سے ان کا گہرا تعلق، لغت نویسی میں مہارت، مختلف زبانوں کے مطالعے اور الفاظ کی اصل و ساخت کو سمجھنے کا غیر معمولی ذوق سامنے آتا ہے۔ ان کی شخصیت میں مزاح اور طنز کا رنگ بھی موجود تھا، جب کہ ان کے کردار کی نمایاں خصوصیات میں اصول پسندی، راست بازی، خودداری اور شہرت سے بے نیازی کا ذکر بھی کیا جاتا ہے۔ ان کی شخصیت کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ وہ لفظ کو محض اظہار کا ذریعہ نہیں سمجھتے تھے، بلکہ اس کے پیچھے موجود معنی، تاریخ، ساخت اور لسانی پس منظر کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کی ذاتی لائبریری میں مختلف زبانوں کی تقریباً ستر لغات کا موجود ہونا ان کے وسیع مطالعے اور زبانوں کے باہمی تعلقات سے دلچسپی کی نشان دہی کرتا ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کے پاس کسی لفظ کے معنی یا اصل کے بارے میں سوال لے کر جایا جا سکتا تھا۔ ان کی علمی دلچسپی صرف یہ بتانے تک محدود نہیں تھی کہ کسی لفظ کا مطلب کیا ہے، بلکہ وہ اس بات کی وضاحت میں بھی دلچسپی رکھتے تھے کہ لفظ کیسے وجود میں آیا، کس زبان سے تعلق رکھتا ہے اور اس کے معنوی و لسانی سفر کو کس طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ یہی خصوصیات ضامنؔ جعفری صاحب کی شخصیت کو شاعری کے ساتھ زبان و ادب اور لسانیات کے مطالعے کے حوالے سے بھی اہم بناتی ہیں۔

جناب ضامنؔ جعفری کی ادبی شناخت کا ایک اہم حوالہ ان کی حیثیتِ شاعرِ اہلِ بیتؑ ہے۔ اردو ادب میں اہلِ بیتِ اطہارؑ سے محبت اور واقعۂ کربلا سے وابستگی ایک عظیم روحانی، اخلاقی اور ادبی روایت کی صورت میں موجود رہی ہے۔ اس روایت نے شاعری کو محض جذبات کے اظہار تک محدود نہیں رکھا، بلکہ اسے تاریخ، عقیدت، انسانی ضمیر اور اخلاقی اقدار کی ترجمانی کا ذریعہ بھی بنایا ہے۔ مرثیہ، سلام، منقبت اور نوحہ جیسی اصناف اسی روایت کی مختلف صورتیں ہیں۔ ان اصناف میں اہلِ بیتؑ سے محبت، امام حسینؑ کی قربانی، شہدائے کربلا کی وفا، حضرت

زینبؑ کی استقامت اور واقعۂ کربلا کے مصائب و پیغام کو ادب و احترام کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ کربلا انسانی تاریخ کا ایسا واقعہ ہے جس کی معنویت کسی ایک زمانے یا معاشرے تک محدود نہیں۔ یہ حق پر استقامت، ظلم کے سامنے انکار، اصولوں کی پاس داری، وفاداری اور انسانی وقار کی حفاظت کا پیغام دیتا ہے۔ امام حسینؑ کی قربانی ہمیں یہ احساس دلاتی ہے کہ اصولوں کی اہمیت ذاتی مفاد، وقتی مصلحت اور ظاہری کامیابی سے کہیں زیادہ ہے۔ حضرت زینبؑ کی استقامت اس حقیقت کی یاددہانی ہے کہ مصائب کی شدت کے باوجود حق کا پیغام زندہ رکھا جاسکتا ہے۔ شاعر جب اس عظیم واقعے کو اپنے لفظوں میں پیش کرتا ہے تو اس پر ایک بڑی ادبی اور اخلاقی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اسے موضوع کی عظمت، جذبات کی صداقت، تاریخی شعور اور بیان کے ادب کو ملحوظ رکھنا ہوتا ہے۔ مذہبی شاعری کی معنویت اسی وقت زیادہ نمایاں ہوتی ہے جب عقیدت کے ساتھ معرفت اور احساس کے ساتھ اخلاقی شعور بھی موجود ہو۔

جناب ضامنؔ جعفری کی شاعرِ اہلِ بیتؑ کی حیثیت ان کی شخصیت کے اسی عقیدت مندانہ پہلو کی طرف توجہ دلاتی ہے۔ ان کے کلام کا تفصیلی فنی و فکری جائزہ لینے کے لیے ان کی مستند تخلیقات کا مطالعہ ضروری ہے، لیکن ان کی اس نسبت کو اردو ادب کی اس وسیع روایت کے تناظر میں سمجھا جاسکتا ہے جس میں اہلِ بیتؑ سے محبت کو ایک عظیم اخلاقی اور روحانی قدر کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ عزاداری کی مجالس بھی اسی اعتبار سے اہمیت رکھتی ہیں کہ وہ محض ماضی کے واقعات کی یاد نہیں دلاتیں، بلکہ انسان کو اپنے کردار، اپنے معاملات اور اپنے اخلاقی فیصلوں کا جائزہ لینے کی دعوت دیتی ہیں۔ اگر کربلا کی یاد انسان کو سچائی، انصاف، وفا اور خدمتِ خلق کی طرف متوجہ کرتی ہے تو اس کا پیغام اپنی پوری معنوی قوت کے ساتھ زندہ رہتا ہے۔ یہاں ایک بات خاص طور پر پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ مذہبی شاعری میں شاعر کی حیثیت اپنی جگہ اہم ہے، لیکن اصل عظمت ان مقدس ہستیوں کی ہے جن کا ذکر کیا جارہا ہوتا ہے۔ شاعر کا کمال یہ ہے کہ وہ ادب و احترام کے ساتھ ان کے مقام اور پیغام کو اپنے لفظوں میں پیش کرے اور اپنی شاعری کو محبت، معرفت اور حق کی یاد تازہ کرنے کا وسیلہ بنائے۔ ضامن جعفری کی شخصیت کا دوسرا اہم پہلو اردو زبان و ادب سے ان کی گہری وابستگی ہے۔ کسی زبان سے حقیقی محبت صرف اس میں لکھنے، پڑھنے یا شعر کہنے تک محدود نہیں ہوتی۔ زبان سے گہرا تعلق اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان اس کے مزاج، ساخت، تاریخ، محاوروں، روزمرے اور تہذیبی پس منظر کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اردو ایک ایسی زبان ہے جس کی تشکیل اور ترقی میں مختلف لسانی اور تہذیبی روایتوں نے حصہ لیا ہے۔ عربی، فارسی، ترکی اور برصغیر کی مختلف زبانوں کے اثرات نے اردو کے ذخیرۂ الفاظ، اسلوب اور اظہار کو وسعت عطا کی۔ ان زبانوں کے باہمی میل جول نے اردو کو ایک ایسا تہذیبی سرمایہ بخشا جس میں مختلف تاریخی ادوار کے تجربات، احساسات اور افکار محفوظ ہیں۔ اردو کی خوب صورتی صرف اس کے الفاظ میں نہیں، بلکہ ان الفاظ کے استعمال میں بھی ہے۔ ایک ہی لفظ مختلف سیاق و سباق میں مختلف معنوی کیفیت پیدا کرسکتا ہے۔ محاورہ، روزمرہ، تشبیہ، استعارہ، تلمیح اور کنایہ زبان کو ایسی وسعت عطا کرتے ہیں کہ ایک مختصر جملہ بھی گہرا مفہوم پیدا کرسکتا ہے۔ شاعر کے لیے زبان کا یہ شعور بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ کوئی لفظ مصرعے میں کس طرح بیٹھتا ہے، اس کی صوتی کیفیت کیا ہے، اس کا تہذیبی حوالہ کیا ہے اور وہ سامع کے ذہن میں کس قسم کی تصویر پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح زبان کے محقق کے لیے ضروری ہے کہ وہ الفاظ اور ادبی متون کو محض سطحی معنی تک محدود نہ رکھے، بلکہ ان کے تاریخی پس منظر، استعمال اور ارتقا کو بھی سمجھے۔ جناب ضامنؔ جعفری کی شخصیت میں زبان سے

اس نوعیت کی وابستگی نمایاں دکھائی دیتی ہے۔ان کی دلچسپی صرف تخلیقی اظہار تک محدود نہیں تھی، بلکہ لفظوں کے معنی، ان کے لسانی پس منظر اور ان کی ساخت کو سمجھنے کی جستجو بھی ان کے علمی مزاج کا اہم حصہ تھی۔

لغت نویسی بظاہر الفاظ کے معنی بیان کرنے کا کام معلوم ہوتی ہے، لیکن اس کے پس منظر میں تحقیق، مطالعہ، مختلف ماخذوں سے استفادہ اور لسانی شواہد کی جانچ کا ایک طویل عمل موجود ہوتا ہے۔کسی لفظ کے معنی متعین کرتے وقت یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ وہ لفظ کس سیاق میں استعمال ہوا، اس کی قدیم صورت کیا تھی، اس کے معنی میں وقت کے ساتھ کیا تبدیلی آئی اور اس کا دوسری زبانوں سے کیا تعلق رہا ہے۔لغت نویس کا کام زبان کے حافظے کو محفوظ کرنا ہے۔ وہ ان الفاظ، محاوروں اور اصطلاحات کو مرتب کرتا ہے جن کے ذریعے ایک معاشرہ اپنے تجربات، خیالات اور تہذیبی روایات کو بیان کرتا ہے۔اس اعتبار سے لغت نویسی صرف زبان کا کام نہیں، بلکہ تہذیبی ورثے کی حفاظت بھی ہے۔اردو لغت بورڈ سے وابستگی ضامن جعفری کی زندگی کا ایک اہم علمی حوالہ ہے۔ وہاں جناب جوش ملیح آبادی اور جناب نسیم امروہوی جیسی ادبی شخصیت کے ساتھ کام کرنے کا تجربہ ان کی ادبی زندگی کے اس پہلو کو نمایاں کرتا ہے جس میں تخلیقی ادب کے ساتھ زبان کی تحقیق اور تدوین بھی شامل تھی۔زبان کے علمی کام میں باریک بینی، مطالعے کی وسعت اور الفاظ کے بارے میں مسلسل جستجو ضروری ہوتی ہے۔جناب ضامنؔ جعفری کی شخصیت کا مطالعہ کرتے ہوئے ان خصوصیات کو ان کی لفظ شناسی اور لسانی دلچسپی کے تناظر میں دیکھنا چاہیے۔

جناب ضامنؔ جعفری کی شخصیت کا ایک نہایت اہم اور منفرد پہلو ان کی لسانی مہارت تھی۔ وہ محض شاعر یا زبان و ادب سے دلچسپی رکھنے والے ادیب نہیں تھے، بلکہ الفاظ کی ساخت، ان کے معانی، ان کے ماخذ اور مختلف زبانوں کے باہمی روابط کو سمجھنے کا غیر معمولی ذوق رکھتے تھے۔ان کی ذاتی لائبریری میں تقریباً ستر لغات موجود تھیں، اور یہ لغات صرف فارسی زبان تک محدود نہیں تھیں، بلکہ مختلف زبانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔اس حقیقت سے ان کے مطالعے کی وسعت، لسانی موضوعات سے دل چسپی اور لفظوں کی دنیا میں ان کی غیر معمولی دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے۔مختلف زبانوں کی لغات کا ایسا متنوع ذخیرہ محض کتابیں جمع کرنے کی عادت کی نشان دہی نہیں کرتا، بلکہ یہ اس علمی جستجو کا بھی اظہار ہے جس کے تحت انسان الفاظ کے مختلف معانی، ان کی اصل، ان کے استعمال اور مختلف زبانوں میں ان کی صورتوں کو سمجھنا چاہتا ہے۔لسانیات محض الفاظ کے معنی جاننے کا نام نہیں، بلکہ زبان کی ساخت، صوتی نظام، الفاظ کی تشکیل، جملوں کی ترتیب، معنی کے ارتقا اور زبانوں کے باہمی تعلقات کا مطالعہ بھی ہے۔کسی لفظ کی موجودہ صورت کو دیکھ لینا ایک بات ہے، لیکن اس کی اصل تک پہنچنا، اس کی ساخت کو سمجھنا، اس کے تاریخی سفر کا سراغ لگانا اور یہ معلوم کرنا کہ وہ کس لسانی پس منظر سے تعلق رکھتا ہے، ایک مختلف علمی صلاحیت کا تقاضا کرتا ہے۔

جناب ضامنؔ جعفری صاحب کی زبان شناسی کا امتیاز بھی اسی نوعیت کا تھا۔ جب کسی لفظ کے معنی سمجھ میں نہ آتے، اس کی اصل کے بارے میں کوئی سوال پیدا ہوتا یا یہ جاننے کی خواہش ہوتی کہ کوئی لفظ کس زبان سے آیا ہے اور اس کی تشکیل کیسے ہوئی، تو ضامنؔ بھائی کا دروازہ کھٹکھٹایا جاتا تھا۔ان کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ صرف لفظ کا معنی بتا کر بات ختم نہیں کرتے تھے، بلکہ اس کی اصل، ساخت، ماخذ اور تاریخی سفر کے بارے میں بھی معلومات فراہم کرتے تھے۔ یوں ایک لفظ کے ذریعے مختلف زبانوں کے درمیان قائم رشتے اور ان کے تاریخی اثرات سامنے آتے تھے۔یہی وہ مقام ہے جہاں محض لغت سے واقفیت اور لسانی شعور کے درمیان فرق نمایاں ہوتا ہے۔لغت ہمیں لفظ کے

معنی اور استعمال سے آگاہ کرتی ہے، جب کہ لسانیات ہمیں یہ سمجھنے میں مدد دیتی ہے کہ لفظ کی تشکیل کیسے ہوئی، اس کی صوتی اور معنوی صورتوں میں کیا تبدیلیاں آئیں اور مختلف زبانوں کے ساتھ اس کے تعلقات کس نوعیت کے ہیں۔ زبان ایک زندہ نظام ہے۔ وہ مختلف تہذیبوں، معاشروں اور تاریخی ادوار سے اثرات قبول کرتی ہے۔ ایک زبان کے الفاظ دوسری زبانوں میں داخل ہوتے ہیں، ان کے تلفظ میں تبدیلی آتی ہے، ان کے معنی وسیع یا محدود ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات وہ نئے تہذیبی ماحول میں نئے مفاہیم اختیار کر لیتے ہیں۔ اس پورے عمل کو سمجھنے کے لیے وسیع مطالعے، مختلف زبانوں سے واقفیت اور الفاظ کے بارے میں تحقیقی جستجو درکار ہوتی ہے۔ جناب ضامنؔ جعفری کی مختلف زبانوں کی تقریباً ستر لغات پر مشتمل ذاتی لائبریری ان کے اسی علمی مزاج کی عکاسی کرتی تھی۔ یہ ان کے لیے لفظوں کی دنیا میں سفر کرنے کا ایک وسیع علمی وسیلہ تھی۔ ان کے نزدیک لفظ کا مطالعہ صرف اس کے فوری معنی تک محدود نہیں تھا، بلکہ اس کے پس منظر اور اس کے لسانی سفر کو سمجھنے کی دل چسپی بھی اس کا حصّہ تھی۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ لسانیات ایک وسیع علمی شعبہ ہے، جس میں زبان کے مختلف پہلوؤں کا باقاعدہ مطالعہ کیا جاتا ہے۔ ضامن جعفری کی شخصیت کے بارے میں ان کی لفظ شناسی، متعدد زبانوں کی لغات سے دل چسپی اور الفاظ کے ماخذ و ساخت پر ان کی دسترس کا ذکر ان کی لسانی مہارت کو نمایاں کرتا ہے۔ ان کے تحقیقی کام کا باقاعدہ جائزہ لیا جائے تو اس پہلو کی مزید تفصیلات سامنے آسکتی ہیں۔

ضامنؔ جعفری کے علمی مزاج کا ذکر کرتے ہوئے ان کی لفظ شناسی کو خاص طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ اگر کسی لفظ کے معنی سمجھ میں نہ آتے، اس کی اصل معلوم نہ ہوتی یا اس کے لسانی ماخذ کے بارے میں سوال پیدا ہوتا تو ضامنؔ بھائی سے رجوع کرنا ایک فطری بات تھی۔

ان کی شخصیت کا یہ پہلو بہت دل چسپ ہے کہ وہ کسی لفظ کے بارے میں سوال کرنے والے کو صرف ایک مختصر جواب نہیں دیتے تھے، بلکہ اس لفظ کے پیچھے موجود علمی دنیا سے بھی روشناس کراتے تھے۔ وہ یہ بتانے کی کوشش کرتے تھے کہ لفظ کی تشکیل کیسے ہوئی، وہ کس زبان سے آیا، اس کا اصل مفہوم کیا تھا اور مختلف زبانوں میں اس کے استعمال نے کس طرح صورت اختیار کی۔ گویا ان کے پاس کسی لفظ کا سوال لے کر جانے والا شخص صرف معنی دریافت کر کے واپس نہیں آتا تھا، بلکہ اپنے ساتھ علم کا ایک پورا سلسلہ لے کر اٹھتا تھا۔ یہی ایک صاحبِ علم کی اصل خوبی ہے کہ وہ اپنے علم کو دوسروں کے لیے قابلِ استفادہ بنائے۔ بعض لوگ علم کو اپنی ذات تک محدود رکھتے ہیں، جب کہ بعض اپنی معلومات دوسروں تک پہنچانے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ ضامنؔ بھائی کے بارے میں یہ تاثر کہ مشکل لفظوں کے سلسلے میں ان سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی تھی، ان کی علمی شخصیت کے ساتھ ان کے دوستانہ اور معاون کردار کو بھی نمایاں کرتا ہے۔

زبان کی تحقیق میں لفظ کی اصل یا اشتقاق کے بارے میں رائے قائم کرتے وقت معتبر لغات، تاریخی متون اور لسانی شواہد سے استفادہ ضروری ہے۔ اسی طرح کسی لفظ کے سفر کو سمجھنے کے لیے اس کے مختلف ادوار کے استعمال کو سامنے رکھنا پڑتا ہے۔ اس تحقیقی احتیاط کے ساتھ لفظ شناسی محض معلومات فراہم کرنے کے بجائے ایک باقاعدہ علمی مطالعے کی صورت اختیار کرتی ہے۔

جناب ضامن جعفری کی شخصیت کا یہ پہلو ہمیں یاد دلاتا ہے کہ زبان کی خدمت صرف تخلیقی ادب لکھنے سے نہیں ہوتی، بلکہ اس کے الفاظ، تاریخ اور لسانی رشتوں کو سمجھنے اور دوسروں تک پہنچانے سے بھی ہوتی ہے۔

جناب ضامن جعفری کی شخصیت کا ایک اور اہم پہلو فارسی زبان سے ان کی وابستگی ہے۔ فارسی برصغیر کی ادبی اور تہذیبی تاریخ میں غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے۔ اردو کی تشکیل، اس کے ذخیرۂ الفاظ، اس کی شاعری اور اس کے اسلوب پر فارسی کے گہرے اثرات رہے ہیں۔

اردو کے بڑے شعرا نے فارسی روایت سے استفادہ کیا اور اس کے ذریعے اپنی شاعری کے موضوعات، تشبیہات، استعارات اور فکری امکانات کو وسعت دی۔ فارسی سے شغف محض اس زبان کے اشعار پڑھ لینے کا نام نہیں، بلکہ اس کے لیے اس کی صرف ونحو، محاورات، شعری روایت اور ادبی اسالیب سے واقفیت درکار ہوتی ہے۔ فارسی میں شعر کہنا تو مزید ریاضت، لسانی مہارت اور ادبی مطالعے کا تقاضا کرتا ہے۔

ضامنؔ جعفری صاحب کا فارسی زبان میں شعر کہنے کا ذوق ان کی لسانی دل چسپی کا اہم حوالہ ہے۔ ان کی شخصیت میں اردو اور فارسی سے وابستگی کے ساتھ مختلف زبانوں کی لغات کا مطالعہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ان کے لیے زبان کا علم ایک وسیع علمی میدان تھا۔ اردو ادب میں ایسے اہلِ علم کی خدمات اہمیت رکھتی ہیں جو تخلیقی اظہار کے ساتھ زبان کے علمی پہلوؤں میں بھی دل چسپی رکھتے ہوں۔ ایسے لوگ ہمیں یہ سمجھنے میں مدد دیتے ہیں کہ کسی زبان کی ادبی عظمت اس کے شعری سرمائے کے ساتھ اس کے لغوی، تاریخی اور لسانی سرمائے میں بھی پوشیدہ ہوتی ہے۔

جناب ضامنؔ جعفری کی شخصیت کا ایک اور اہم پہلو ان کی مزاحیہ اور طنزیہ شاعری ہے۔ اردو ادب میں مزاح نگاری ایک ایسی روایت ہے جس نے معاشرتی زندگی کے تضادات، انسانی کمزوریوں اور روزمرہ رویّوں کو دل چسپ اور بامعنی انداز میں پیش کیا ہے۔ مزاح محض ہنسانے کا نام نہیں۔ اس کے لیے گہرا مشاہدہ، زبان پر قدرت، انسانی نفسیات کی سمجھ اور موقع شناسی ضروری ہے۔ ایک اچھا مزاح نگار روزمرہ زندگی کے ایسے پہلو دیکھ لیتا ہے جو عام طور پر لوگوں کی توجہ حاصل نہیں کرتے۔ وہ کسی عام واقعے کو اس طرح پیش کرتا ہے کہ اس میں پوشیدہ تضاد نمایاں ہو جاتا ہے اور قاری یا سامع مسکرانے کے ساتھ سوچنے پر بھی مجبور ہوتا ہے۔

مزاح اور طنز میں فرق کے باوجود دونوں کے درمیان گہرا تعلق ہے۔ مزاح میں خوش طبعی، ظرافت اور مسکراہٹ نمایاں ہو سکتی ہے، جب کہ طنز میں کسی خرابی، منافقت، خود فریبی یا معاشرتی تضاد کو بے نقاب کرنے کا پہلو زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ کامیاب طنزیہ شاعری میں اکثر دونوں کیفیتیں یکجا ہو جاتی ہیں۔

انسان کے لیے اپنی غلطی تسلیم کرنا اکثر مشکل ہوتا ہے۔ اپنی ذات کے بارے میں وہ نرم رویہ اختیار کرتا ہے، لیکن دوسروں کی خامیوں پر تنقید کرتے وقت اس کی سخت گیری بڑھ جاتی ہے۔ وہ اپنی غلطیوں کے لیے عذر تلاش کرتا ہے، مگر دوسروں سے کامل درستگی کی توقع رکھتا ہے۔

شاعر اسی تضاد کو مختصر اور دلچسپ انداز میں سامنے لاتا ہے۔ شعر کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ جب اپنی ذات کو درست کرنا مشکل ہے تو دنیا کو درست کرنے کا فیصلہ کر لیا جائے۔ لیکن اس کے باطن میں ایک گہرا طنز پوشیدہ ہے۔ انسان اپنی اصلاح کی مشکل سے بچنے کے لیے پوری دنیا کی اصلاح کا دعویٰ کرنے لگتا ہے۔

یہی ادبی طنز کی قوت ہے کہ وہ چند الفاظ میں ایک وسیع انسانی رویّے کی نشان دہی کر دیتا ہے۔

شعر کا اختتام اس کے اثر میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ پہلے مصرعے میں ایک مشکل کا ذکر ہے، جب کہ دوسرے مصرعے میں ایسا فیصلہ

سامنے آتا ہے جو بظاہر حل معلوم ہوتا ہے، مگر حقیقت میں انسانی کمزوری کو مزید نمایاں کر دیتا ہے۔ اس معنوی موڑ سے مزاح پیدا ہوتا ہے اور شعر قاری کو اپنی ذات کا جائزہ لینے کی دعوت دیتا ہے۔

ایک اچھا طنزیہ شعر قاری کو صرف ہنساتا نہیں، بلکہ اس کے ذہن میں ایک سوال بھی چھوڑ جاتا ہے: کیا ہم دوسروں کی اصلاح کی فکر کرتے ہوئے اپنی اصلاح کو نظر انداز تو نہیں کر رہے؟ کیا ہم اپنے رویّوں کی خامیوں کو تسلیم کرنے کے بجائے معاشرے کی تمام خرابیوں کا ذمہ دار دوسروں کو ٹھہراتے ہیں؟ معاشرتی زندگی میں دکھاوا، مفاد پرستی، دوہرے معیار، وعدوں اور عمل کے درمیان فاصلے اور اپنی ذات کو دوسروں سے برتر سمجھنے کا رویّہ ایسے موضوعات ہیں جنھیں مزاح نگار اپنے فن کا حصہ بنا سکتا ہے۔ جب شاعر ان رویّوں کو روزمرہ زبان میں بیان کرتا ہے تو قاری کو اپنے ماحول کی پہچانی ہوئی صورتیں نظر آنے لگتی ہیں۔ جناب ضامن جعفری کی مزاحیہ اور طنزیہ شاعری کے مطالعے میں ان کے مشاہدے، لفظوں کے انتخاب اور خیال کے موڑ کو سمجھنا اہم ہے۔ ان کے اسلوب کے بارے میں جامع رائے قائم کرنے کے لیے ان کے مزید مستند اشعار اور متعلقہ کلام کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ اس طرح ان کی فنی خصوصیات کا زیادہ متوازن اور قابلِ اعتماد جائزہ ممکن ہوتا ہے۔

مزاحیہ شاعری میں زبان کی اہمیت غیر معمولی ہے۔ کبھی ایک محاورہ نئے سیاق میں استعمال ہو کر مزاح پیدا کرتا ہے، کبھی لفظ کے دو مختلف معنوں سے دلچسپی پیدا ہوتی ہے، اور کبھی ایک غیر متوقع اختتام پورے شعر کی معنوی سمت بدل دیتا ہے۔

ایسے اظہار کے لیے زبان کے روزمرہ استعمال سے واقفیت ضروری ہے۔ مزاح نگار کو معلوم ہونا چاہیے کہ کوئی لفظ عام گفتگو میں کس طرح استعمال ہوتا ہے، اس کا محاوراتی مفہوم کیا ہے اور اسے کسی نئے سیاق و سباق میں رکھنے سے کس قسم کا اثر پیدا ہو سکتا ہے۔ یہیں ضامن جعفری کی زبان شناسی اور مزاح نگاری کے درمیان ایک اہم تعلق محسوس ہوتا ہے۔ ایک طرف ان کی لفظوں کی اصل، معانی اور لسانی پس منظر میں دل چسپی کا ذکر ملتا ہے، تو دوسری طرف ان کی مزاحیہ و طنزیہ شاعری میں زبان کے استعمال اور انسانی رویّوں پر تبصرے کا پہلو سامنے آتا ہے۔

زبان کا گہرا شعور شاعر کو اپنے خیال کی زیادہ مؤثر تشکیل میں مدد دیتا ہے۔ تاہم صرف لفظوں کا ذخیرہ کافی نہیں؛ ان کے درست استعمال، مناسب ترتیب اور معنوی مناسبت کا شعور بھی ضروری ہے۔ جب شاعر اپنے مشاہدے کو مناسب الفاظ میں ڈھالتا ہے تو خیال زیادہ مؤثر اور دیرپا بن سکتا ہے۔ ادبی مزاح میں انسانی احترام بھی اہمیت رکھتا ہے۔ کسی شخص کی مجبوری یا ذاتی دکھ کو ہدف بنانے کے بجائے معاشرتی منافقت، بے اصولی اور رویّوں کے تضادات کو نمایاں کرنا طنز کی زیادہ بامعنی صورت ہے۔ جب مزاح اپنے ہدف کے بارے میں واضح اور اپنے اسلوب میں متوازن ہو تو وہ تفریح کے ساتھ تنقیدی شعور بھی پیدا کرتا ہے۔ اس اعتبار سے ضامن جعفری صاحب کی ادبی شخصیت کے مختلف پہلو ایک دوسرے سے مربوط دکھائی دیتے ہیں۔ زبان سے محبت، الفاظ کی تحقیق، شاعری سے وابستگی اور معاشرتی رویّوں کا مشاہدہ ایک ایسے ادبی مزاج کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس میں لفظ محض اظہار کا وسیلہ نہیں بلکہ فکر کی تشکیل کا ذریعہ بھی ہے۔

جناب ضامن جعفری کی شخصیت کا ذکر ان کے کردار کے حوالے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔ ان کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اصولوں کے پکے، کھرے اور راست گو انسان تھے۔ شہرت سے دور رہنا اور عزت و وقار کو اہمیت دینا ان کی شخصیت کی نمایاں خصوصیات میں شمار کیا جاتا تھا۔

کسی ادیب کی عظمت کا تعین صرف اس کی تخلیقات یا علمی معلومات سے نہیں ہوتا؛ اس کے کردار اور زندگی کے رویّے بھی اس کی شخصیت کی تفہیم میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اصول پسندی انسان کو مشکل حالات میں بھی اپنے مؤقف پر قائم رہنے کا حوصلہ دیتی ہے، جب کہ راست بازی اس کے قول و فعل میں اعتبار پیدا کرتی ہے۔ ادبی دنیا میں شہرت اور مقبولیت کی اپنی اہمیت ہے، لیکن شہرت کو کسی ادیب کی قدر و قیمت کا واحد معیار نہیں بنایا جا سکتا۔ بعض لوگ اپنے کام کو نمایاں کرنے کے لیے سرگرم رہتے ہیں، جب کہ بعض اپنی علمی اور تخلیقی سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہوئے شہرت کی دوڑ سے دور رہتے ہیں۔ ان کے کام کی اصل قدر ان لوگوں کے تجربے سے سامنے آتی ہے جو ان سے استفادہ کرتے ہیں یا ان کی علمی و ادبی خدمات کو قریب سے دیکھتے ہیں۔ ضامن جعفری کے بارے میں یہ تاثر کہ وہ شہرت سے دور اور عزت کے قریب رہنے والے انسان تھے، ان کے شخصی وقار کو نمایاں کرتا ہے۔ ان کی علمی قابلیت، زبان سے وابستگی اور دوسروں کو معلومات فراہم کرنے کا انداز ان کے کردار کے ساتھ مل کر ایک ایسی تصویر پیش کرتا ہے جس میں علم اور انسانیت کا رشتہ نمایاں ہے۔ علم کی اصل زینت انکسار ہے۔ صاحبِ علم ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ انسان دوسروں سے فاصلہ اختیار کر لے، بلکہ اس کا ایک اہم تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے علم کو دوسروں کے لیے مفید بنائے۔ ضامنؔ بھائی کے بارے میں یہ بات کہ مشکل لفظوں کے سلسلے میں ان سے رہنمائی حاصل کی جا سکتی تھی، ان کی علمی شخصیت کے ساتھ ان کے دوستانہ اور معاون کردار کو بھی نمایاں کرتی ہے۔

انسان اپنے پیچھے صرف کتابیں یا تحریریں نہیں چھوڑتا، بلکہ اپنے رویّوں اور تعلقات کے ذریعے بھی ایک یادگار قائم کرتا ہے۔ بعض لوگ اپنے علم سے پہچانے جاتے ہیں، بعض اپنے کردار سے، اور بعض کی شخصیت میں یہ دونوں خصوصیات یکجا ہو جاتی ہیں۔ ضامنؔ جعفری کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے یہی امتزاج خاص طور پر قابلِ توجہ محسوس ہوتا ہے۔

اردو ادب کی تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ کسی زبان کی ترقی میں تخلیق کاروں کے ساتھ محققین، لغت نویسوں، مرتبین اور اہلِ مطالعہ نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ شاعر زبان کو نئے احساسات اور نئے خیالات کے اظہار کے لیے استعمال کرتا ہے، جب کہ محقق اور لغت نویس اس زبان کے ذخیرے کو محفوظ کرنے اور اس کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ یہ دونوں سرگرمیاں ایک دوسرے سے الگ ہونے کے باوجود ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں۔ اگر زبان میں تخلیقی اظہار موجود ہو لیکن اس کے ادبی سرمائے کی تحقیق اور تدوین نہ ہو تو اس کی تاریخ کا مطالعہ مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر تحقیق موجود ہو لیکن تخلیقی اظہار کمزور پڑ جائے تو زبان کی نئی معنوی اور جمالیاتی صورتوں کی تشکیل متاثر ہو سکتی ہے۔ جناب ضامنؔ جعفری کی شخصیت میں شاعری، فارسی سے وابستگی، اردو لغت بورڈ میں کام، مختلف زبانوں کی لغات سے دل چسپی اور الفاظ کی اصل و ساخت کو سمجھنے کا ذوق اس وسیع ادبی روایت کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ ان کا ذکر ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ادب صرف وہ نہیں جو دیوانوں اور مجموعوں میں محفوظ ہے؛ ادب کے پیچھے زبان کی ایک پوری علمی دنیا بھی موجود ہوتی ہے۔ کسی ادبی شخصیت کے مطالعے میں یہ ضروری ہے کہ اس کی تخلیقات، تحقیقی کام، لسانی خدمات اور علمی ذخیرے کو ایک دوسرے کے تناظر میں دیکھا جائے۔ اس سے اس کی شخصیت کی زیادہ جامع تصویر سامنے آ سکتی ہے۔ جناب ضامن جعفری کے حوالے سے ان کے مستند کلام، فارسی شاعری کے نمونوں، لغت نویسی سے متعلق کام اور دیگر تحریروں کو یکجا کر کے ان کے ادبی مزاج کا مزید تفصیلی جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ ایسی کوششیں اردو ادب کی

تاریخ کو مستند بنانے اور نئی نسل کو اپنے اہلِ علم سے متعارف کرانے میں مددگار ثابت ہوسکتی ہیں۔

جناب ضامن جعفری کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو یکجا کر کے دیکھا جائے تو ان کا تعارف ایک ایسے شاعر اور صاحبِ علم کے طور پر سامنے آتا ہے جس کی ادبی شناخت میں اہلِ بیتؑ سے عقیدت، اردو زبان وادب سے وابستگی، فارسی سے شغف، لسانی مہارت، لغت نویسی کا ذوق، مزاح وطنز کی صلاحیت اور اصول پسندی کے پہلو شامل ہیں۔

شاعرِ اہلِ بیتؑ کی حیثیت سے ان کی نسبت اردو کی اس عظیم روایت سے جڑتی ہے جس میں محبت، وفا، قربانی اور حق پر استقامت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اردو لغت بورڈ میں کام ان کی علمی زندگی کا ایک اہم حوالہ ہے۔ فارسی زبان میں شعر کہنے کا ذوق اور ذاتی لائبریری میں مختلف زبانوں کی تقریباً ستر لغات کا ذخیرہ ان کے مطالعے اور لسانی دل چسپی کی وسعت کو نمایاں کرتا ہے۔

الفاظ کے معنی، ان کی اصل، ان کے لسانی ماخذ اور ان کے تاریخی سفر کے بارے میں ان کی معلومات کا ذکر ان کی شخصیت کے اس پہلو کو نمایاں کرتا ہے جو علم کو محض حاصل کرنے کے بجائے دوسروں تک پہنچانے سے بھی وابستہ تھا۔ ان کی مزاحیہ اور طنزیہ شاعری کا مطالعہ انسانی رویّوں اور معاشرتی تضادات کو سمجھنے کا ایک اور زاویہ فراہم کرتا ہے۔ ان سب پہلوؤں کے ساتھ ان کی اصول پسندی، راست بازی اور شہرت سے بے نیازی کا ذکر ان کی شخصیت کو ایک انسانی اور اخلاقی جہت عطا کرتا ہے۔ ان کے بارے میں بیان کردہ یہ خصوصیات ہمیں اس حقیقت کی طرف متوجہ کرتی ہیں کہ علم کی قدر صرف معلومات کی کثرت سے نہیں، بلکہ اس کے استعمال، اس کے اشتراک اور اس کے ساتھ وابستہ کردار سے بھی متعین ہوتی ہے۔

کسی ادبی شخصیت کا حقیقی مقام متعین کرنے کے لیے اس کے اصل کلام، علمی خدمات اور مستند شواہد کا مطالعہ ضروری ہے۔ جناب ضامن جعفری کے حوالے سے بھی یہ تحقیقی کام ان کی شخصیت کے بارے میں زیادہ جامع اور معتبر رائے قائم کرنے میں مدد دے سکتا ہے۔ ان کے کلام اور علمی کام کا مزید مطالعہ ان کی تخلیقی اور لسانی خصوصیات کو بہتر طور پر سمجھنے کا موقع فراہم کرے گا۔

فروغِ مرثیہ جیسے ادبی وثقافتی رسالے میں ایسی شخصیات کا تعارف پیش کرنے کی اہمیت بھی یہی ہے کہ اہلِ بیتؑ سے وابستہ ادبی روایت کے ساتھ ساتھ ان اہلِ علم اور اہلِ قلم کو بھی یاد رکھا جائے جنھوں نے زبان، ادب اور تحقیق کی دنیا میں اپنا حصہ ڈالا۔

جناب ضامن جعفری کا ذکر ہمیں یہ احساس دلاتا ہے کہ لفظ کی قدر اس وقت بڑھتی ہے جب اس کے پیچھے علم ہو، علم کی قدر اس وقت بڑھتی ہے جب اس کے ساتھ انکسار ہو، اور ادبی شخصیت کا وقار اس وقت مستحکم ہوتا ہے جب اس کے تخلیقی کام کے ساتھ اس کا کردار بھی اعتبار کا حامل ہو۔

ایسے لوگ اپنی موجودگی میں علمی رہنمائی کا وسیلہ بنتے ہیں اور اپنے بعد اپنی یاد، اپنے کام اور اپنے کردار کے ذریعے دوسروں کو علم وادب سے وابستہ رہنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ جناب ضامن جعفری کی شخصیت کے یہ مختلف رنگ اسی علمی، ادبی اور انسانی ورثے کی یاد دلاتے ہیں جس کی حفاظت اور آئندہ نسلوں تک منتقلی ہم سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔

❁❁❁❁

تعارف وغیر مطبوعہ مرثیے ۔ سیّد غلام عباس ناصر زیدپوری

مقاصد مہدی زیدپوری (انڈیا)

سیّد غلام عباس ناصر زیدپوری کی ولادت ان کے نانھیالی بیت الشرف میں ۴ رصفر المظفّر ۱۳۳۴ھ مطابق ۲۲ ردسمبر ۱۹۱۵ء کو ہوئی۔ آپ مُلّا مفید حسن کے لائق وفائق عزیز القدر والمنزلت نواسے اور متعدد بار کے حاجی وزائر سیّد طیب حسین کے پوتے اور مولانا علی ضامن کی اولادِ دختری کے فرد تھے۔ بلا کے طباع و ذہین قیامت کا حافظہ رکھنے والے اور علم وفضل سے بھرا ہوا سینہ رکھنے والے عالم و فاضل تھے۔ حیدرآباد کے شاہی دربار میں دانشور وشاعر کی حیثیت سے ملازم تھے اور تمام حیدرآباد میں علامہ ناصر زیدپوری کے نام وتخلص ولقب سے معروف تھے شعروسخن میں معظم علی جاہ کے استاد کی حیثیت رکھنے والے شاعر اولوالعزم تھے۔ تمام اصنافِ سخن غزل، قصیدہ، سلام، مثنوی، رباعی وقطعہ، مسدس ومرثیہ ونوحہ میں استادانہ طبع آزمائی فرماتے تھے۔ زیدپور میں تعلیم کے حصول کے بعد شہرِ لکھنؤ میں قیام فرما کر وہاں کے علما ودانشور ادباء سے کسبِ فیض کیا اور صاحبِ عبقات الانوار مولانا سید حامد حسین کے ولدِ اکبر مولانا سیّد ناصر حسین ناصر الملّت طاب ثراہم سے نہایت درجہ متاثر ہوئے اور جب تک حیدرآباد نہ گئے بزمِ ناصری کی زینت بنے رہے اسی تاثر کی بنا پر اپنا تخلص ناصر تجویز فرمایا اور اسی تخلص کے ساتھ تمام انصاف شعروسخن میں تا آخر حیات اشعار لکھتے رہے۔ جدید رنگ کی مرثیہ نگاری فرما کر آپ نے اپنا قد اُردو زبان کی مذہبی شاعری میں بہت اونچا کرلیا بلکہ رکن اور ستون بن گئے۔ آپ نے اُردو شعروادبیات کو جدیدیت ومابعد جدیدیت سے خوب خوب آشنا کیا مگر افسوس ہزار افسوس ناپائیدار عمر کے سبب اور خودداریِ نفس کی وجہ سے تمام شعری اثاثہ جو بہترین معنوی ورثہ وترکہ تھا اشاعت سے محروم رہا صرف حیات کے آخری برسوں میں پنڈت جواہر لال نہرو کی وفات کے بعد ان کے سلسلے میں لکھا جانے والا منظوم خراجِ عقیدت جو ''جگ جُگ جیو جواہر لعل'' کے مطلع سے مسلسل مثنوی کی شکل میں تھا شائع ہوا۔ جس کا چرچا بعد تک رہا۔ سیّد غلام عباس ناصرؔ زیدپوری دبیری سلسلے سے زیدپور میں فراستؔ زیدپوری کے بعد سب سے معتبر ومستند ادبی ومذہبی شاعر وادیب کہنے جانے کے مستحق ہیں۔ آپ کی شادی خانہ آبادی مسماۃ وثیقۃ الزہرا دختر سیّد حفیظ الدین حسین ابن حکیم سیّد شرف الحسین کے ساتھ منعقد ہوئی۔ جن کے بطن سے دختر مسماۃ ذریعۃ الزہرا منکوحۂ سیّد شباہت حسین مقتول ابن سیّد عشرت حسین رئیس زیدپور اور مسماۃ کاظمی منکوحۂ سیّد ساجد حسین ابن سیّد ناصر حسین زیدپوری مقیم حیدرآباد دکن قرار پائیں۔ آپ کی وفات حسرت آیات کل ۵۱ ر اکیاون سال کی ناپائیدار عمر میں ۲۸ رشوال المکرّم ۱۳۸۵ ہجری مطابق بیس فروری ۱۹۶۶ء کو حیدرآباد میں واقع ہوئی اور وہیں وطن سے دور یہ آفتاب اُفق شعروسخن اور مہر درخشانِ فلک ادبیاتِ مستحسن کنج لحد میں غروب ہوگیا۔

مرثیہ

جب کر لیا حسینؑ نے قبضہ حیات پر (۱) ظاہر ہوئی حقیقتِ غم کائنات پر
اب تک ہے اس فضا کا اثر شش جہات پر دنیا ہے دنگ عزم و عمل کے ثبات پر
حق پر علیؑ کا لال جو قربان ہوگیا
اسلام کی حیات کا سامان ہوگیا

ہر چند ہے نشیب میں لاشہ حسینؑ کا (۲) حاصل ہے پھر بھی مقصدِ اعلیٰ حسینؑ کا
تبلیغ کو ہے آج سہارا حسینؑ کا دینِ رسول پڑھتا ہے کلمہ حسینؑ کا
ممنون ہے بقائے شریعت حسینؑ کی
جو کام کر گئی ہے شہادت حسینؑ کی

تبلیغِ دینِ حق کا طریقہ یہی تھا ایک (۳) احساسِ دردِ دل کا تقاضا یہی تھا ایک
پیغمبری اصول کا منشاء یہی تھا ایک ملّت کی زندگی کا قرینہ یہی تھا ایک
آغاز منتظر تھا اب انجام کے لیے
سر دے دیا اشاعت اسلام کے لیے

اخلاق سے نبیؐ نے پیامِ ازل دیا (۴) بڑھ کر ثبوتِ فکر و نظر برمحل دیا
جو مشکلات قوم کی تھیں ان کا حل دیا تیئس سال تک یہی درسِ عمل دیا
بعضوں کو پھر بھی امرِ نبوّت میں شک رہا
ایمان لاکے حقّ و صداقت میں شک رہا

اسلام ظاہری تھا دلوں میں برائے نام (۵) اپنے ہی کام سے تھا بس اہلِ غرض کو کام
پاس رسولؐ تھا نہ رسالت کا احترام میزانِ زر میں تول رہے تھے نظر عوام
اک آڑ لی تھی دین کی دولت کے واسطے
پردہ تھا یہ بھی مالِ غنیمت کے واسطے

کہنے کو ہوگیا کہ مسلمان ہوگئے (۶) بیٹھے نبی کے پاس تو انسان ہوگئے
کیا کیا بہم نفاق کے سامان ہوگئے سرمایہ دار بنتے ہی انجان ہوگئے
انسان زر کے نشے میں مدہوش ہوگیا
اسلام ایک خوابِ فراموش ہوگیا

خلقِ نبیؐ کا جب نہ دلوں پر اثر ہوا (۷) یہ وار بھی نہ پوری طرح کارگر ہوا
اصلاح کا خیال بہ طرزِ دگر ہوا تبدیل پھر تصورِ فکر و نظر ہوا
شیرازہ امن کا جو پریشان ہوگیا
اب فطرتاً جہاد کا اعلان ہوگیا

دراصل یہ جہاد ہے پیغمبری جہاد (۸) دینی لحاظ سے ہے یہی عسکری جہاد
انسانیت کی ایک ہے صورت گری جہاد ہے تابعِ مشیّتِ حق حیدریؑ جہاد
شرعی حقیقتوں سے فسانہ بدل دیا
کھینچی جو ذوالفقار زمانہ بدل دیا

لیکن اثر جہاد کا اک وقت تک رہا (۹) آغاز دور صبر سے نقشہ بدل گیا
بڑھتا ہی جارہا تھا مصائب کا سلسلہ جاہل عرب میں جوش جو تھا انتقام کا
یہ حوصلے تھے سلطنتِ کامیاب کے
رسّی گلے میں ڈالی گئی بوترابؑ کے

پردے میں دین کے تھا یہ دنیا کا انقلاب (۱۰) تاریخ کا ہے ایک یہ اندوہناک باب
دیکھا حسنؑ نے جبکہ ہیں ذہنیتیں خراب آمادہ صلح پر ہوا وہ آسماں جناب
قائم مثال کردی حکومت کو چھوڑ کے
اس ظاہری سریرِ خلافت کو چھوڑ کے

اب بھی دلوں کی تہہ سے عداوت نہ جاسکی (۱۱) بیٹھی تھی ایسی گرد کدورت نہ جاسکی
توہینِ اہلِ بیتؑ کی عادت نہ جاسکی بغض و عناد و ظلم کی خصلت نہ جاسکی
شرطوں پہ صلح نامے کی کیا کیا عمل ہوئے
ان کوششوں کے بعد بھی عقدے نہ حل ہوئے

جب ہوچکیں مقام عمل میں باہتمام (۱۲) خلق و جہاد و صلح کی سب کوششیں تمام
آگے بڑھے تحفظِ اسلام کو امامؑ تھا ایک یہی طریقۂ اصلاح لاکلام
جانیں نثار کر دیں شریعت کے واسطے
آمادہ ہوں حسینؑ شہادت کے واسطے

تھا دلبرِ رسولؐ کو موقعے کا انتظار (۱۳) اقدام ٹھیک وقت پہ کرتے ہیں حق شعار
بیعت طلب ہوئے جو امامت سے بادہ خوار شہؑ نے کیا خوشی سے شہادت کو اختیار
رتبہ بلند کردیا عزمِ صمیم کا
دراصل فلسفہ ہے یہ ذبحِ عظیم کا

آدمؑ سے لے کے عہدِ رسالتؐ مآب تک (۱۴) ہر غم کا سلسلہ ہے دلِ بوترابؑ تک
پہنچے امام مقصدِ اُمّ الکتاب تک اس دفترِ وفا میں شہادت کے باب تک
اب تک اس اہتمام سے شرحیں کہاں ہوئیں
شخصی تھی ان کی شان جو قربانیاں ہوئیں

مقتل میں ہیں حسینؑ نمائندۂ رسولؐ (۱۵) گلشن رسالتوں کا ہے باغِ نبیؐ کا پھول
پیشِ نظر جو آج ہیں پیغمبری اصول کتنے تصوّرات سے ہے امتحاں کا طول
جملہ پیمبرانِ سلف کا جواب ہے
یہ امتحانِ عزمِ رسالتؐ مآب ہے

کل انبیاء کا دورِ مصیبت ہے اک طرف (۱۶) احساسِ عالمِ بشریّت ہے اک طرف
ہر امتحان عہدِ نبوت ہے اک طرف سب اک طرف ہیں صبرِ امامت ہے اک طرف
شبیرؑ عام درد کا پیغام کر گئے
جو کام تھا رسولؐ کا وہ کام کر گئے

قربانیِ حسینؑ ہے قربانیِ رسولؐ (۱۷) انکی نظر ہے عالمِ عرفانیِ رسولؐ
نازاں ہے ان پہ جوہرِ ایمانیِ رسولؐ یہ تا ابد ہیں قوّتِ لافانیِ رسولؐ
اسلام بھی ہیں حاصلِ اسلام بھی حسینؑ
آغاز بھی حسینؑ ہیں انجام بھی حسینؑ

تفسیرِ دردِ غم کا اضافہ حسینؑ ہیں (۱۸) قطرے ہیں مرسلین تو دریا حسینؑ ہیں
ہر دورِ زندگی کا تقاضا حسینؑ ہیں تاریخ انبیاء کا خلاصہ حسینؑ ہیں
اجمال بھی حسینؑ ہیں تفصیل بھی حسینؑ
پیغمبری نظام کی تکمیل بھی حسینؑ

دفتر کشائے علمِ رسالت حسینؑ ہیں (۱۹) آئین ذوالجلال کی عظمت حسینؑ ہیں
فخرِ مجاز و نازِ حقیقت حسینؑ ہیں مختار کارخانۂ قدرت حسینؑ ہیں
مالک نظر کے دل کی ہیں تسخیر بھی حسینؑ
تدبیر بھی حسینؑ ہیں تقدیر بھی حسینؑ

مقصودِ آدمؑ و بنی آدمؑ حسینؑ ہیں (۲۰) نازِ خلیلؑ عیسیٰؑ مریمؑ حسینؑ ہیں
توثیقِ انبیائے مکرّم حسینؑ ہیں سرمایۂ پیمبرِ اعظمؐ حسینؑ ہیں
عزم و عمل کا نقطۂ آخر بھی ہیں حسینؑ
حساس بھی شجاع بھی صابر بھی ہیں حسینؑ

کتنے صفات جمع ہیں اس ایک ذات میں (۲۱) وزنِ کلام ہے متکلّم کی بات میں
کوئی جواب اس کا نہیں کائنات میں حل کردے جو مسائلِ دیں مشکلات میں
کس ولولے کے ساتھ شہادت قبول کی
بنیاد رکھ دی شرعِ نبیؐ کے اصول کی

ہے درسِ زندگی بخدا کربلا کی جنگ (۲۲) کل انبیاء کی جنگ ہے کل اوصیاء کی جنگ
شیرِ خدا کی جنگ رسولِؐ خدا کی جنگ یہ بعدِ صلح ہے حسنِ مجتبیٰؑ کی جنگ
کتنی ہے مصلحت کہ نمائندگی کرے
کارِ نبیؐ کرے کوئی کارِ علیؑ کرے

لازم ہے آج ایک نمائندۂ حسنؑ (۲۳) جس میں خصائصِ حسنیہؑ ہوں من و عن
نورِ محمدیؐ ہو نگاہوں میں ضو فگن پامال ہوکے پھول بنے نازشِ چمن
جو منزلِ عمل میں حسنؑ کی نظیر ہو
تاریخِ زندگی میں جنابِ امیرؑ ہو

ہوتے جہاں میں خود حسنِؑ مجتبیٰؑ اگر (۲۴) اتنی ہی کرتے خدمتِ دیں قصّہ مختصر
جس شان کا پدر تھا اُسی شان کا پسر احساسِ پنجتنؑ میں تھی ڈوبی ہوئی نظر
جملہ تھا فاتحانہ تصور لیے ہوئے
بابا کا اور چچا کا تفکر لیے ہوئے

دکھلا دی رن میں آکے نمائندگی کی شان (۲۵) معراجِ ارتقائے عمل تھی جری کی شان
ظاہر تھی بات بات سے عزم وصی کی شان تیرہ برس کے سن میں جہادِ علیؑ کی شان
ماضی کو امرِ حق کی طرح حال کر دیا
پامال ہو کے فوج کو پامال کر دیا

اس جنگ میں ہے ایک نمائندۂ علیؑ (۲۶) مختارِ کائناتِ وفا صف شکن جری
پوری کرے گا آج تمنّا جو باپ کی جو رزمِ حیدری کا ہے معیار آخری
جس پر مدارِ عزمِ ولایت مآب ہے
احساسِ فرض میں جو علیؑ کا جواب ہے

جو فرض تھا علیؑ کا رسالت کا دور میں (۲۷) کارِ اہم کیے جو نبوت کے دور میں
عباسؑ کر گئے وہ امامت کے دور میں جو درسِ مستقل ہیں حقیقت کے دور میں
شمشیر بھی سپر بھی تھے دینی نظام کی
وہ بازوئے نبیؐ تھے یہ قوت امامؑ کی

مانا شریکِ احمدؐ مختار تھے علیؑ (۲۸) عزم و عمل کے قافلہ سالار تھے علیؑ
عقلی حدوں میں خالقِ کردار تھے علیؑ دورِ پیمبری کے علمدار تھے علیؑ
لیکن شرف یہ نازشِ ادوار ہوگیا
مخصوص ان سے لفظِ علمدار ہوگیا

ان پر تمام ہوگئیں عالم کی عظمتیں (۲۹) پوچھے کوئی امامِ ششمؑ سے بصیرتیں
دامن میں ہیں مجاز کے کیا کیا حقیقتیں ہیں یادگار کرب و بلا کی وہ خدمتیں
جن سے پیمبری کو بقائے ثبات ہے
اسلام ایک تجلّیِ ارضِ فرات ہے

عباسؑ کی حیات ہے اک دفترِ وفا (۳۰) زیرِ نگیں ہے تا بہ ابد کشورِ وفا
ایثار کے امام ہیں پیغمبرِ وفا کہتے ہیں ان کو اہلِ نظر داورِ وفا
اک معجزہ ہے ضبطِ عطش خوش صفات کا
منھ دیکھتا ہی رہ گیا پانی فرات کا

کیا یادگار جنگ تھی کارِ اہم کے ساتھ (۳۱) احساسِ تشنگی بھی تھا عرفانِ غم کے ساتھ
اک منزلِ اصول جو تھی ہر قدم کے ساتھ کچھ ذمہ داریاں بھی تھیں مشک و علم کے ساتھ
وہ کام کر گئے بخدا نام رہ گیا
پانی سے پہلے خونِ وفادار بہہ گیا

درکار ہے جو ایک نمائندۂ نبیؐ (۳۲) آواز دیتی ہے علی اکبرؑ کی زندگی
یا شاہؑ ہوں میں ایک امانت رسولؐ کی جو ان کی آرزو تھی وہی آرزو میری
اِذن جہاد دیجیے احسان کیجیے
قربانیوں کا روز ہے قربان کیجیے

رخصت کے وقت سبطِؑ پیمبرؐ نے کیا کیا (۳۳) کی عرض ہاتھ اٹھا کے کہ اے ربِّ دو سرا
رہنا گواہ ظلم پہ مائل ہیں اشقیا جاتا ہے اب تو جانبِ میداں وہ لاڈلا
جس میں صلاحیت تھی صفت کے قبول کی
تصویر بن گیا تھا جو تیرے رسولؐ کی

صورت میں جو رسولؐ ہے سیرت میں ہے رسولؐ (۳۴) مطلب یہی ہوا کہ حقیقت میں ہے رسولؐ
اکبرؑ مقامِ حق و صداقت میں ہے رسولؐ لفظیں پکارتی ہیں فصاحت میں ہے رسولؐ
دھوکا ہے ماہتاب پہ بھی آفتاب کا
پلٹا ہے پھر شباب رسالتؐ مآب کا

گفتار ہے شعورِ بلاغت لیے ہوئے (۳۵) رفتار ہے ادائے رسالت لیے ہوئے
کردار ہے نظامِ ہدایت لیے ہوئے ایثار ہے شعارِ نبوتؐ لیے ہوئے
تفسیر ہو رہی ہے حیاتِ رسولؐ کی
معراج آج ہوگی صفاتِ رسولؐ کی

حضرتؑ کے پاس ہے یہ نشانی رسولؐ کی (۳۶) ہر لفظ میں ہے روح معانی رسولؐ کی
اکبرؑ کی شکل میں ہے جوانی رسولؐ کی محفوظ ہے ابھی ہمہ دانی رسولؐ کی
اب ان سے ارتقا ہے الٰہی اصول کا
دراصل یہ شباب ہیں دینِ رسولؐ کا

میداں میں آ کے دے گئے درسِ پیمبری (۳۷) کھنچی جو تیغ پڑ گئی جسموں میں تھرتھری
دنیا کو یاد آگیا اندازِ حیدریؑ دل میں اتر گئے نظریاتِ سروریؑ
سر دے کے حق کی راہ میں سردار ہوگے
اکبرؑ شریکِ احمدِؐ مختار ہوگئے

پابندِ امرِ حق تھا محمدؐ کا نورِ عین (۳۸) ملتا تھا اضطرابِ مسلسل سے دل کو چین
ثابت قدم رہا پسرِ فاتحِ حنین قربانیوں کا جائزہ لیتے رہے حسینؑ
سجدے میں سر کو رکھ دیا دلبر کی موت پر
شکرِ خدا کیا علی اکبرؑ کی موت پر

اس وقت تھا کچھ اور ہی عالم حسینؑ کا (۳۹) دم بھرتے تھے پیغمبرِؐ اعظم حسینؑ کا
باطل کے آگے سر نہ ہوا خم حسینؑ کا اعلانِ حق تھا فلسفۂ غم حسینؑ کا
بچپن میں کر لیا تھا جو وعدہ وفا کیا
کیا عبد تھا کہ ضعف میں کارِ خدا کیا

ناناؐ کی باپ کی بھی نمائندگی ہوئی (۴۰) میدانِ کربلا میں ہے شرکت حسینؑ کی
در پردہ چاہیئے کوئی قوّت بتولؑ کی جو دور ابتلا کا ہو معیارِ آخری
جو اک کڑی ہو سلسلۂ احترام کی
کر جائے ہر محل پہ حفاظت امامؑ کی

بڑھ کر ادا کرے جو رسولؐ خدا کا فرض (۴۱) مشکل کشا کا دلبرِ مشکل کشا کا فرض
وقت مباہلہ عملاً فاطمہؑ کا فرض ہر منزل وفا میں امامِؑ ہدا کا فرض
احساس کی کمی ہو نہ ادراک کی کمی
محسوس ہو نہ پنجتنِؑ پاک کی کمی

آلِؑ نبیؐ میں ثانیِ زہراؑ کہیں جسے (۴۲) پیغمبری عمل کا خلاصہ کہیں جسے
مقصود سیّدالشہداؑ کا کہیں جسے رودادِ کربلا کا تتمّہ کہیں جسے
جس پر بنائے امر شہِؑ مشرقین ہو
جو حق کی منزلوں میں شریکِ حسینؑ ہو

جس طرح ایک جزوِ رسالتؐ ہیں فاطمہؑ (۴۳) سرمایۂ حیاتِ نبوت ہیں فاطمہؑ
سرِّ خفی حجابِ مشیّت ہیں فاطمہؑ واقف ہر اک رموزِ امامت ہیں فاطمہؑ
زینبؑ اسی لحاظ سے حق کا پیام ہیں
چھوٹے سے قافلہ میں بجائے امام ہیں

مطلب یہی تو ہوگا شریکِ حسینؑ کا (۴۴) ان کی نظر میں بھی ہے امامت کا مدعا
کہتے ہیں ان کو دورِ امامت کی فاطمہؑ اعلان کارنامۂ مظلومِ کربلا
دامن حقیقتوں کے جواہر سے بھر دیے
قائم حسینؑ کے نظریات کر دیے

اب ماننا پڑا کہ حقیقت میں ہیں شریک (۴۵) زینبؑ تجلّیاتِ رسالتؐ میں ہیں شریک
بھائی کے ساتھ امورِ شریعت میں ہیں شریک بس انتہا کہ کارِ امامت میں ہیں شریک
بنیاد ہے انہیں سے فروع و اصول کی
حافظ امامؑ کی ہیں محافظ رسولؐ کی

جس کو نہیں کسی نے پڑھایا وہ عالمہ (۴۶) شرعی علوم کا ہے جو دریا وہ عالمہ
علمِ علیؑ کا جو ہے خلاصہ وہ عالمہ جو ہے وقارِ مصحفِ زہراؑ وہ عالمہ
ہر حال میں ہے فرض اشاعت اصول کی
تعلیم دے گئی یہ نواسی رسولؐ کی

ہے جس کی ذات مصدرِ عرفاں وہ عالمہ (۴۷) جو ہے دلیلِ جادۂ ایماں وہ عالمہ
جو بن گئی تھی مقصدِ یزداں وہ عالمہ جس کا عمل ہے حاصلِ قرآں وہ عالمہ
جس پر تصوراتِ رسالتؐ کو ناز ہے
وہ علم جس پہ علمِ امامت کو ناز ہے

جو ہے شعاعِ نورِ مجرّد وہ عالمہ (۴۸) ہے جس کا صبر فخرِ اب و جد وہ عالمہ
جس کی نظر میں حق کا ہے مقصد وہ عالمہ جو ہے فروغِ نورِ محمدؐ وہ عالمہ
تفسیر ہے علومِ رسالتؐ مآب کی
اک روشنی ہے یہ بھی اسی آفتاب کی

ناناؐ سے پوچھے کوئی نواسی کی منزلت (۴۹) زینبؑ میں بھی ہے فاطمہ زہراؑ کی ہر صفت
عنوانِ معرفت وہی اندازِ معرفت ہر جنبشِ حیات ہے پابندِ مصلحت
تسلیم کا وقار ہے صبر و رضا کی شان
باقی ہے ان سے معرکۂ کربلا کی شان

آئی تھیں گھر سے حق کی حمایت کے واسطے (۵۰) دینِ محمدیؐ کی حفاظت کے واسطے
مقصودِ شاہِ دیں کی اشاعت کے واسطے تکمیلِ آرزوئے شہادت کے واسطے
ثابت ہے امتحان شہِ مشرقین سے
زینبؑ کا عزم کم نہیں عزمِ حسینؑ سے

اولاد سے زیادہ شریعت عزیز تھی (۵۱) تبلیغ تھی عزیز رسالتؐ عزیز تھی
بنتِ نبیؐ کو دین کی خدمت عزیز تھی اپنی ردا سے بڑھ کے امامت عزیز تھی
قربانیاں تھیں حرمتِ اسلام کے لیے
چادر بھی دے دی عزتِ اسلام کے لیے

ہر غم میں یہ شریکِ امامؑ ہدا رہیں (۵۲) شبیرؑ کے کمالِ تحمّل میں شک نہیں
لیکن یہاں غموں کے اضافے ہیں بالیقیں دیکھا امامؑ دیں کو تہہِ خنجرِ لعیں
فرمایا ابنِ سعد شریکِ جفا ہے تو
شبیرؑ ذبح ہوتے ہیں اور دیکھتا ہے تو

یہ پہلا احتجاج تھا بنت بتولؑ کا (۵۳) میدانِ کربلا میں جو حق کے لیے ہوا
تھا یہ اثر کہ خود پسرِ سعد کانپ اٹھا رویا بھی منھ پھرا کے وہ مکّار و پُر وغا
گلشن اجڑ رہا ہے رسالتمآبؐ کا
آغاز ہوگا ایک نئے انقلاب کا

تحریکِ انقلاب ہے زینبؑ کا احتجاج (۵۴) اک درسِ کامیاب ہے زینبؑ کا احتجاج
ہر بات کا جواب ہے زینبؑ کا احتجاج آوازِ بوترابؑ ہے زینبؑ کا احتجاج
جس نے ملوکیت کے پرخچے اڑا دیے
اُبھرے ہوئے نقوشِ تشدّد مٹا دیے

بعدِ حسینؑ انکے فرائض کی حد نہ تھی (۵۵) بنتِ علیؑ میں بھی تھی امامت کی روشنی
ان کی بھی زندگی تھی رسالتؐ کی زندگی تھی رہبرِ حیات وصیّت امامؑ کی
زینبؑ تھیں سرپرستِ اسیرانِ کربلا
ہے ان کی سعیٔ حاصلِ میدانِ کربلا

جب ناریوں نے آگ لگائی خیام میں (۵۶) ثابت قدم رہیں بخدا ازدحام میں
آیا نہ فرق حقّ و صداقت کے کام میں کتنی بصیرتیں تھیں الٰہی نظام میں
زینبؑ گئیں خلاصۂ اسرار کے قریب
پہنچیں تڑپ کے عابدِؑ بیمار کے قریب

چونکایا اس لیے کہ شریعت کا کام ہو (۵۷) احکامِ شرع کا عملاً احترام ہو
حکمِ خدا سے وارثِ خیرالانامؐ ہو بیٹا حسینؑ اُٹھ گئے اب تم امام ہو
جلتے ہیں خیمے ہم جگر افگار کیا کریں
کیا حکمِ حق ہے عابدِؑ بیمار کیا کریں

فرمایا حفظِ نفس تو واجب ہے اے پھوپھی (۵۸) بچّوں کو لے کے جایئے باہر اسی گھڑی
اس وقت خاص میں تھا جو حکمِ خدا یہی امرِ امامؑ وقت کی تعمیل ہوگئی
طاعت ہی اور ہے یہ اطاعت ہی اور ہے
زینبؑ کی آج شانِ قیادت ہی اور ہے

زینبؑ پہ قافلے کی حفاظت کو ناز ہے (۵۹) ہر مقصدِ حیاتِ امامت کو ناز ہے
یہ رہبری وہ ہے کہ قیادت کو ناز ہے شبیرؑ کی تمام ریاضت کو ناز ہے
یہ آج سے نظیرِ شہِؑ مشرقین ہیں
زینبؑ حدودِ فکر و نظر تک حسینؑ ہیں

ہر منزلِ اہم میں قیادت انہیں کی ہے (۶۰) تبلیغ ہے انہیں کی ہدایت انہیں کی ہے
مثلِ امامِؑ عصر بصیرت انہیں کی ہے محسوس ہورہا ہے امامت انہیں کی ہے
بھولیں نہ قید ہو کے خدائی پیام کو
دشوار منزلوں میں سنبھالا امامؑ کو

معیارِ حرّیت ہے اسیری کا فلسفہ (۶۱) جو تاابد ہے حاصلِ اقدامِ کربلا
پہنچا جہاں جہاں بھی اسیروں کا قافلہ زینبؑ نے ظلم و جور کا تختہ اَلٹ دیا
مظلومیت کی فتح کے ڈنکے بجا دیے
زینبؑ نے ظالموں کے کلیجے ہلا دیے

آواز درد بن گئی تمہیدِ احتجاج (۶۲) ہر قوم آج کرتی ہے تائیدِ احتجاج
کیوں کر نہ ہو زمانے میں تجدیدِ احتجاج تیرہ سو سال پہلے کی تقلیدِ احتجاج
زینبؑ نے امرِ حق کا جو اعلان کردیا
قوموں کے زندہ رہنے کا سامان کردیا

موضوعِ حریت ہے وہی کربلا کی قید (۶۳) آغازِ انقلاب ہے اہلِ وفا کی قید
خاموش احتجاج ہے فوجِ خدا کی قید رہبر ہے اب بھی دخترِ مُشکل کُشا کی قید
انجام کار شیوۂ جمہور بن گیا
آزادیِ خیال کا دستور بن گیا

اب وہ ملوکیت کا فسانہ نہیں رہا (۶۴) دولت کی ساکھ زورِ خزانہ نہیں رہا
وہ اقتدار دورِ شاہانہ نہیں رہا شخصی حکومتوں کا زمانہ نہیں رہا
نظروں میں تخت و تاج کی وقعت نہیں رہی
نسلِ یزید ہی میں حکومت نہیں رہی

---- (۶۵) انساں کے دل میں تھا جو تکدر مٹا دیا
لوحِ جہاں سے نقشِ تفاخر مٹا دیا آخر یذیدیت کا تصور مٹا دیا
ایک معجزہ تھا یہ بھی حسینؑ پیام کا
زینبؑ نے رُخ بدل دیا دربارِ شام کا

دربار میں یزید کے پہنچا جو کارواں (۶۶) بیٹھا ہوا تھا تخت پہ غدار حکمراں
کہتا تھا یاد کرکے سلف کو یہ بدزباں مجھ کو دعائیں دیتے وہ ہوتے اگر یہاں
دیکھا تھا وہ بھی اور یہ نقشہ بھی دیکھتے
خوش ہو کے قیدیوں کا تماشہ بھی دیکھتے

سنتے ہی اس کلام کو زینبؑ تڑپ گئیں (۶۷) فرمایا شاہؑ زادی نے کیا بکتا ہے لعیں
تو او ستم شعار ! ہے تُو اور ہم ہمیں ہم کو سمجھ رہا ہے ذلیل اے عدوئے دیں!
برباد کر کے ہم کو منظّم بھی ہوگیا
دروازہ اقتدار کا محکم بھی ہوگیا

یہ ہے ترا خیال تو ظالم ٹھہر ٹھہر! (۶۸) ارشاد کردگار کی تجھ کو نہیں خبر
کافر کو ڈھیل دیتے ہیں اک وقت تک مگر یہ اس لیے کہ اور گناہوں کا ہو اثر
انجام کار ربِّ علا کا عتاب ہے
ذلت کی جو دلیل ہے ایسا عذاب ہے

کچھ بھیک پا کے حرّیتِ مستعار کی (۶۹) اس درجہ بڑھ گئی ہے شقی تیری خود سری
پردے میں عورتیں بھی کنیزیں بھی ہوں تری بلوے میں سر برہنہ رہے عترتِ نبیؐ
نامحرموں میں آلِؑ رسولِؐ مجید ہو
ماتم ہمارے گھر میں ترے گھر میں عید ہو

دندانِ شہؑ سے بے ادبی کر رہا ہے تُو (۷۰) یعنی یہ ظلمِ تازہ شقی کر رہا ہے تُو
انکارِ احترامِ علیؑ کر رہا ہے تُو یہ قدرِ خاندانِ نبیؐ کر رہا ہے تُو
ثابت یہ کر دیا کہ مسلمان ہی نہیں
اطوار ہوں یہ جس کے وہ انسان ہی نہیں

زخموں کو تو نے چھیڑ دیا دشمنِ خدا (۷۱) آباد گھر رسولؐ کا برباد کر دیا
کس کا لہو بہا دیا ظالم یہ کیا کیا دراصل تھا یہ خون رسالتمآبؐ کا
کیا کیا تھے زیرِ چرخ سہارے زمین کے
اے بے خبر یہی تھے ستارے زمین کے

لاریب ظالموں سے خدا لے گا انتقام (۷۲) تجھ کو نہ ہو خیال کہ وہ مر گئے تمام
راہِ خدا میں قتل جو ہوتے ہیں نیک نام وہ مالکِ حیاتِ حقیقی ہیں لاکلام
ربط قوی ہے زندگیِ پائیدار سے
پاتے میں اپنا رزق وہ پروردگار سے

ہر چند تجھ سے ہے یہ تخاطب مجھے گراں (۷۳) مقصد یہ ہے کہ فلسفۂ درد ہو عیاں
آنکھوں میں آج اشک ہیں سینے میں دل تپاں رنگین ہے لہو سے پیمبرؐ کا گلستاں
میں شاہدِ شہادتِ عالم پناہ ہوں
درگاہِ ذوالجلال میں اب داد خواہ ہوں

مکاریوں کا جال بچھا لے ستم شعار (۷۴) زور اپنی کوششوں کا دکھا لے ستم شعار
یہ تیر آخری بھی چلا لے ستم شعار ممکن نہیں لہو کو چھپالے ستم شعار
تو کیا ہمارا ذکر جہاں سے مٹائے گا
وہ دن قریب ہیں کہ خدا یاد آئے گا

آثارِ وحی تجھ سے مٹائے نہ جائیں گے (۷۵) نظروں سے اہلِ بیتؑ گرائے نہ جائیں گے
عصری حدود میں کبھی لائے نہ جائیں گے وہ کارنامے ہیں کہ بھلائے نہ جائیں گے
ناقص ہے تیری رائے ترا دور خواب ہے
گردن پہ تیری خونِ رسالتمآبؐ ہے

باقی رہے گا تو نہ جماعت رہے گی یہ (۷۶) یہ زورِ سلطنت نہ حکومت رہے گی یہ
نخوت رہے گی اور نہ دولت رہے گی یہ تاریخِ زندگی میں حقیقت رہے گی یہ
اب شاخِ ظلم پھولنے پھلنے نہ پائے گی
لعنت ہے ظالموں پہ یہ آواز آئے گی

ان کی جگہ ہے اپنے لیے خالقِ جلیل (۷۷) وارث وہی خلیفہ وہی ہے وہی کفیل
کافی ہے اس کی ذات کہ رحمت کی ہے دلیل ہر اعتبارِ خیر سے ہم سب کا ہے وکیل
ان منزلوں میں مقصدِ وحدت تو دیکھیئے
بروقت انکشافِ حقیقت تو دیکھیئے

یہ ہے مقامِ حق میں صداقت زبان کی (۷۸) اعلان کررہی ہے فصاحت زبان کی
محسوس ہوتی جاتی ہے قوّت زبان کی آواز دے رہی ہے یہ قدرت زبان کی
تاثیر اس کلام میں حق کے ولی کی ہے
خطبہ پکارتا ہے کہ بیٹی علیؑ کی ہے

وہ انقلاب خطبۂ زینبؑ نے کر دیا (۷۹) آیا ہے جس سے قصرِ یزیدی میں زلزلہ
دربار والوں کا نظرّیہ بدل گیا معلوم اب ہوا ہے اسیری کا فلسفہ
پورے ہوئے مقاصدِ سلطانِؑ کربلا
کیا کام کر گئے ہیں اسیرانِ کربلا

بڑھتا گیا قلوب پہ اس خطبے کا اثر (۸۰) ذہنیت بدلنے لگیں سوچ سوچ کر
شبیرؑ کے اصول پہ جانے لگی نظر اس خوف سے یزید کا تھرّا گیا جگر
قیدی رہے تو ہوگا بغاوت کا سامنا
کرنا پڑے گا مجھ کو قیامت کا سامنا

مالی و للحسینؑ کا مطلب یہی تو ہے (۸۱) اعجازِ خونِ سبطِؐ نبیؐ اب یہی تو ہے
تنبیہ بہرِ جہلِ مرکّب یہی تو ہے زورِ بیانِ حضرتِ زینبؑ یہی تو ہے
طاری ہوا وہ رعبِ سخن بدنہاد پر
الزامِ قتل رکھ دیا ابنِ زیاد پر

آخر شقی نے حکم رہائی کا دے دیا (۸۲) دربار میں بلائے گئے حاملِ بلا
دینے لگا یزید جو عابدؑ کو خوں بہا اس قصد پر تڑپ گئے بیمارِ کربلا
کہنا پڑا یہ جانِ فروع و اصول کو
دینا یہ خون بہا مرے ناناؐ رسول کو

لوٹا ہوا ہمارا جو اسباب ہے مگر (۸۳) واپس جو تو کرے گا تو لے لیں گے نوحہ گر
دشواریاں تھیں اس میں بہت قصّہ مختصر جتنا ملا اسی پہ قناعت کی عمر بھر
دل میں جو اہلِ بیتؑ کے تھی غم کی آرزو
پوری ہوئی حسینؑ کے ماتم کی آرزو

جی بھر کے رو چکا جو اسیروں کا کارواں (۸۴) پیغامِ درد لے کے ہوئے اہلِ غم رواں
چہلم کا تھا وہ دن یہی راوی کا ہے بیاں پہنچے وہاں پہ تربتِ مظلوم تھی جہاں
اس وقت ختم درد کا مضموں ہو گیا
قبرِ حسینؑ دیکھ کے دل خون ہو گیا

جابر کے ساتھ اجرِ رسالتؐ ادا کیا (۸۵) اہلِ وفا نے فرضِ محبّت ادا کیا
رو رو کے اب فریضۂ الفت ادا کیا بیکس بہن نے حقِّ زیارت ادا کیا
مقصد جو تھا عزیز شہؑ مشرقین کو
روداد سب سنا دی مزارِ حسینؑ کو

جس وقت سب کی یاد میں آنسو بہا چکے (۸۶) رو رو کے آپ سارے جہاں کو رلا چکے
مجروح دل پہ بارِ مصائب اٹھا چکے اربابِ عزم طاقتِ صبر آزما چکے
ہو کر وداع قبرِ شہؑ تشنہ کام سے
آمادۂ سفر ہوئے حکمِ امامؑ سے

پہنچا قریبِ منزلِ یثرب جو قافلہ (۸۷) گویا ہوئے بشیرؔ سے بیمارِ کربلا
شاعر ترا پدر تھا سخنداں ہے تو بھی کیا اس نے کہا کہ ہاں تو یہ حضرتؑ نے دی صدا
اعلان کردے غم کے گرفتار آئے ہیں
کچھ سوگوارِ سیّدِ ابرار آئے ہیں

قاصد سمجھ رہا تھا یہ ہے فرضِ منصبی (۸۸) گونجی ہوئی فضا میں ندائے بشیرؔ تھی
جس وقت لامقام لکم کی صدا سنی تصدیق ہوگئی خبرِ قتلِ شاہؑ کی
احساسِ غم ہو دل میں تو کس طرح کَل پڑے
گھر سے محمدِ حنفیہ نکل پڑے

ساتھ ان کے سر برہنہ تھا اک مجمعِ کثیر (۸۹) ارضِ مدینہ دشتِ قیامت کی تھی نظیر
پہنچے قیام گاہ حرم تک جوان و پیر نکلے امامؑ خیمہ سے مثلِ مہ منیر
سب پوچھتے تھے فاطمہؑ کے نورِ عین کو
ہر سمت ڈھونڈتی تھیں نگاہیں حسینؑ کو

کرسی پہ جلوہ گر ہوا بیمارِ کربلا (۹۰) حمدِ خدا کے بعد پڑھا ایک مرثیہ
تاریخِ کربلا تھی کہ خطبہ امامؑ کا دل ٹکڑے کر رہا تھا اسیری کا تذکرہ
کیا شان تھی کلامِ بلاغت نظام کی
تصویر کھینچتی جاتی تھی زندانِ شام کی

تقریر ختم کرچکے جب شاہِؑ خاص و عام (۹۱) پہلے نبیؐ کے روضے کی جانب چلے امامؑ
آئے جو نزدِ مرقدِ پیغمبرؐ انام کلثومؑ کی نظر نے ادب سے کیا سلام
روتی تھی ورثہ دارِ صفاتِ بتولؑ کی
پڑھتی تھی مرثیہ یہ نواسی رسولؐ کی

شہرِ نبی قبول نہ کرنا ہمیں کہ ہم (۹۲) آئے ہیں لے کے حسرت و اندوہ و درد و غم
جب ہم چلے تھے قافلے والے تھے سب بہم باقی ہیں اب بڑے نہ وہ چھوٹے نہ وہ حشم
جانے کی شان اور تھی یہ اور شان ہے
ناصرؔ کہاں حسینؑ سے خالی جہاں ہے

آئی ہیں آج لٹ کے نبی کی نواسیاں (۹۳) صابر رہیں خدا کی قسم وقتِ امتحاں
مجبور سر برہنہ پھری ہیں کہاں کہاں دربار میں بھی لے گئے ظالم کشاں کشاں
اعدائے دین کو ٹوکنے والا کوئی نہ تھا
ہوتے تھے ظلم روکنے والا کوئی نہ تھا

زینبؑ لپٹ کے قبر سے روئیں جو زار زار (۹۴) محسوس ہو رہا ہے کہ ہلنے لگا مزار
نوحے بھی یادگار تھے ماتم بھی یادگار فریاد کر رہی تھی نبیؐ سے وہ سوگوار
سب حال کہہ کے قتلِ شہِؑ مشرقین کا
دکھلایا خوں بھرا ہوا کرتا حسینؑ کا

ناصرؔ قلم کو روک لے وقتِ دعا ہے یہ (۹۵) مداحِ حسینؑ کا اک سلسلہ ہے یہ
چلتا رہے قلم مرا بس مدعا ہے یہ پہنچوں جو انتہا پہ کہوں ابتدا ہے یہ
مدحت کا حق ادا کرے کس کی مجال ہے
لاریب فیہ مدحِ حسینؑ محال ہے



مرثیہ

رہینِ عزمِ سفر ہے حیاتِ انسانی (۱) جہادِ فکر و نظر ہے حیاتِ انسانی
تلاشِ سوزِ جگر ہے حیاتِ انسانی دلیلِ عزمِ بشر ہے حیاتِ انسانی
حیات کا ہے مفر قوتِ ارادی پر
تمام ہوتا ہے جو منزلِ جہادی پر

اسی کو اہلِ نظر اجتہاد کہتے ہیں (۲) اسی کو ذوقِ عمل کی مراد کہتے ہیں
اسی کو ماحصلِ انتقاد کہتے ہیں اسی کو شرع میں جوشِ جہاد کہتے ہیں
اصول اور نظریات کی بنا ہے یہی
میرے خیال میں قانونِ اِرتقا ہے یہی
یہی دماغ کا ہے دل کا معاملہ بھی یہی (۳) مقدماتِ نظر کا ہے فیصلہ بھی یہی
حیاتِ دہر کا ہے ایک مسئلہ بھی یہی ہے صبر و ظلم کا پورا مقابلہ بھی یہی
اصول کی یہ اشاعت کا ایک ذریعہ ہے
یہی فروغِ نبوت کا اک ذریعہ ہے
تصورات نہیں ہیں مقام کی پابند (۴) محرکات نہیں ہیں قیام کے پابند
۔۔۔ نہیں ہیں خیام کے پابند مسلمات نہیں ہیں حسام کے پابند
حقیقتوں کی ہے بنیاد عزم و ہمّت پر
جہادِ زیست ہے موقوف دل کی قوت پر
وہ آئے منزلِ مشکل میں راہبر بن کر (۵) الٰہیات میں ڈوبی ہوئی ہو جس کی نظر
خدائے عزم سمجھتے ہوں جس کو خیرِ بشر جو مبتدائے رسالتؐ کی بن گیا ہو خبر
نتیجۂ عملِ بوترابؑ کہتے ہوں
جسے حیاتِ رسالتؐ مآب کہتے ہوں
فروغِ نورِ حقیقت ہو جس کی قربانی (۶) کمالِ نظمِ شریعت ہو جس کی قربانی
دلیلِ ختمِ رسالتؐ ہو جس کی قربانی باعتبارِ نبوت ہو جس کی قربانی
جو ہجرتِ نبویؐ کا شعار بن جائے
جہادِ زیست کا پروردگار بن جائے
مقاصدِ احدی کی دلیل بن جائے (۷) مقامِ حق میں مرادِ خلیلؑ بن جائے
جو زندگیٔ بشر کا کفیل بن جائے قدم قدم پہ نبیؐ کا عدیل بن جائے
جسے نگاہِ رسالت مقام کہتی ہو
خدا کی قدرتِ کامل امام کہتی ہو
کرے جو دینِ نبیؐ کے لیے سفر وہ امامؑ (۸) پیغمبری کا بھی جو ہو پیام بر وہ امامؑ
کتابِ حق کو جو ہو نقطۂ نظر وہ امامؑ خدا کے بعد جو ہو قصّہ مختصر وہ امامؑ
اصولِ شرع کی تائید کہتے ہوں جس کو
مذاقِ عشق میں توحید کہتے ہوں جس کو

حیات کا ہے سفر منزلِ ازل سے شروع (۹) عمل نبیؐ کا ہے اللہ کے عمل سے شروع
جب آب و گل میں تھے آدمؑ اسی محل سے شروع یہ زندگی تو ہے خود زندگی کے حل سے شروع
ابو البشر نے یہ شرع سفر کیا پہلے
جہانِ نو میں پیامِ عمل دیا پہلے
بظاہر ان سے ہے قائم نظامِ ایمانی (۱۰) کلام ان کا ہے گویا کلامِ ربانی
نبوتوں کا پھر اک سلسلہ ہے لافانی حیات کا یہ سفر ہے بحکمِ یزدانی
جہاں میں عام الٰہی پیام کرکے گیا
جو اپنے وقت پہ آیا وہ کام کرکے گیا
سفر تمام نبوت کا ہے محمدؐ پر (۱۱) اب ان کے بعد نہ آئے گا کوئی پیغمبر
ہے ایک بات ابھی تشنۂ کلام مگر کوئی نہیں ہے باذنِ خدا اگر رہبر
تو پھر جو چاہے وہ عالی مقام بن جائے
ہر ایک وقتِ ضرورت امامؑ بن جائے
جو دائمی ہے نبوت تو دائمی ہے سفر (۱۲) اسی کی شان کا رہبر ہو گر وہی ہے سفر
خدا کی راہ میں منزل حیات کی ہے سفر پیغمبری کی حفاظت کو لازمی ہے زفر
وہ آگے دین کا مقصد بڑھا نہیں سکتا
جو اعتبار محمدؐ بڑھا نہیں سکتا
مقاصدِ سفرِ انبیاء ہوں نظروں میں (۱۳) مشاہداتِ رہِ ارتقا ہوں نظروں میں
نقوشِ سیرتِ خیرؐ الوریٰ ہوں نظروں میں مسلماتِ صفاتِ خدا ہوں نظروں میں
بڑھا دے قوتِ اسلام نام کر جائے
جو سب نے مل کے کیا ہو وہ کام کر جائے
نگاہِ حق میں یہ معیار ہے امامت کا (۱۴) یہ ایک دفترِ مبسوط ہے حقیقت کا
یہی ہے نقطۂ آخر عروجِ عصمت کا امام مظہرِ کامل ہے خالقیت کا
اسی کو حافظِ اُم الکتاب کہتے ہیں
جسے شریکِ رسالتؐ مآب کہتے ہیں
یہی حقیقت تبلیغ بھی ہے مقصد بھی (۱۵) یہ ایک نورِ مجرد بھی ہے مقید بھی
رہ وجوب ہے امکان کی ہے سرحد بھی خدا کا جلوہ بھی ہے جوہرِ محمدؐ بھی
صفاتِ خاص وہی اعتبارِ ذات وہی
حدودِ شرع کے اندر تصرفات وہی

رسولؐ پاک کی سیرت کا آئینہ کہیئے (۱۶) مجاز وہ کہ حقیقت کا آئینہ کہیئے
تجلیاتِ رسالتؐ کا آئینہ کہیئے نہیں ہے شرک جو وحدت کا آئینہ کہیئے
نبیؐ کا نام کرے اور خدا کا کام کرے
جو مقتضائے مشیت ہو وہ امام کرے

تحفظِ عملِ انبیاءؑ بھی کرتا ہو (۱۷) حفاظتِ شرف اولیا بھی کرتا ہو
کرے زباں سے جو وعدہ وفا بھی کرتا ہو بس انتہا یہ ہے کارِ خدا بھی کرتا ہو
سفر حیات کا راہِ ثواب ہوجائے
قدم قدم پہ رسالتؐ مآب ہوجائے

خیال میں ہو رسالتمآبؐ کی ہجرت (۱۸) کمالِ صبر وہی امتحان کی عظمت
وہی ثباتِ قدم قلب کی وہی قوت وہی عمل وہی کردار اور وہی سیرت
وہی اشاعتِ اسلام کا طریقہ بھی
وہی اصولِ مساوات کا سلیقہ بھی

کبھی تصورِ بیعت دماغ ہی میں نہ آئے (۱۹) ارادہ انتہا ہو محکم پہاڑ سے ٹکرائے
نگاہ میں ہو کشش اس قدر کہ دل میں سمائے پڑے جو وقت کوئی دین پر علیؑ بن جائے
بلائیں آئیں تو کرلے انھیں گوارا بھی
خدا کے واسطے چھوڑے نبیؐ کا روضہ بھی

اسی سفر پہ ہے تبلیغِ مصطفیؐ کا مدار (۲۰) اسی سفر پہ ہے احساسِ مرتضیٰؑ کا مدار
اسی سفر پہ ہے عرفانِ کبریا کا مدار اسی سفر پہ ہے ہر مقصدِ خدا کا مدار
اسی سفر سے خدائی کلام باقی ہے
اسی سفر سے الٰہی نظام باقی ہے

یہ کاروانِ صداقت ہے صدق کی پہچان (۲۱) اسی سفر کے عناصر ہیں دین کے ارکان
یہی حقائقِ اسلام ہیں یہی ایمان انہیں میں ہیں وہ دلیلیں جنھیں کہیں قرآن
کوئی خفی ہے کوئی آیتِ جلی ان میں
ہے کوئی ان میں محمدؐ کوئی علیؑ ان میں

مجاہدینِ خدا کا وہ مختصر لشکر (۲۲) نظر کے سامنے منزل بندھی ہوئی وہ کمر
علیؑ کے رنگ میں ڈوبا ہوا علیؑ کا پسر جو باپ کی ہے یہ تلوار بھائی کی ہے سپر
جہاں میں دھاک ہے سلطانِؑ مشرقین کے بعد
ہے قافلے کا نگہباں یہی حسینؑ کے بعد

تھا وہ بھی ایک سفر کہتے ہیں جسے معراج (۲۳) شبیہ احمدؐ مرسل یہاں بھی ساتھ ہے آج
کسی طرح سے تعارف کا وہ نہیں محتاج نبیؐ کی طرح سے اکبرؑ کا بھی دلوں پہ ہے راج
خدا گواہ کہ ہم پایۂ نبیؐ ہے یہ
وہ اک شب کی تھی معراج دائمی ہے یہ

وہاں صدائے علیؑ تھی یہاں صدائے حسینؑ (۲۴) وہاں تو اک خطِ فاصل تھی منزلِ قوسین
یہاں ہے سجدے میں یوں فاطمہؑ کا نور العین حجاب ہی نہیں معبود و عبد کے مابین
جو سر جد اہوا ظاہر خدا کا راز ہوا
نگاہ کے لیے دشوار امتیاز ہوا

وہاں نبیؐ و علیؑ عارفانِ داور ہیں (۲۵) مگر حسینؑ کے ساتھی یہاں بہتّر ہیں
مقامِ حقّ و صداقت میں سب برابر ہیں محلِّ فخر میں اکبرؑ جہاں ہیں اصغرؑ ہیں
جو قافلے میں ہے وہ رہنمائے اعظم ہے
شباب و پیری و طفلی کا ایک عالم ہے

مخدرات بھی کچھ ہیں حسینؑ کے ہمراہ (۲۶) مقاصدِ سفری پر امام کی ہے نگاہ
کمالِ فکر پہ عالم کی حکمتیں ہیں گواہ مشیتِ صمدی ہیں امورِ شرع پناہ
شریکِ عزم جو ہم شانِ مصطفیٰؐ بھی رہیں
جو ہو ردا کی ضرورت تو فاطمہؑ بھی رہیں

نبیؐ پہ ختم نبوت بھی ہے رسالت بھی (۲۷) مدد کے واسطے ہمراہ تھی امامت بھی
خدا کا عزم و ارادہ خدا کی طاقت بھی ہر اک نبی کی صفت تا بحدِّ رفعت بھی
وہ ابتدائے صفت تھی یہ انتہائے صفات
غلو نہیں ہے اگر میں کہوں خدائے صفات

نظر میں رکھیئے گا اب ہر نبیؐ کی قربانی (۲۸) وہ ذوق سعیٔ و عمل وہ مذاقِ عرفانی
باعتبارِ فرائض وہ شانِ ایمانی وہ سختیاں وہ مصائب بحدِّ امکانی
جدا جدا ہی وہاں درد و غم کا نقشہ تھا
جو سب تھے مل کے ہمارا رسولؐ تنہا تھا

مصیبتوں کی یہاں انتہا ضروری ہے (۲۹) کہ امتحانِ رسولؐ خدا ضروری ہے
تعیّنِ اثرِ انبیاءؑ ضروری ہے ثبوتِ غم کے لیئے کربلا ضروری ہے
رسولِؐ حق کی ہیں قربانیاں بنامِ حسینؑ
مقامِ ختم نبوتؐ پہ ہیں امامِ حسینؑ

خلیلؑ آپ نے کی تھی بس ایک قربانی (۳۰) اسی پہ عالمِ احساس کو ہے حیرانی
یہاں تو آج مصائب کی ہے فراوانی حضور دیکھ لیں معراجِ عزمِ انسانی
ہے رنج و درد و الم کا اثر یہ مجموعی
وہ امتحان تھا شخص مگر یہ مجموعی

مقامِ غم میں تمام انبیاء ہیں ایک طرف (۳۱) محلِّ صبر میں کل اوصیاء ہیں ایک طرف
حدودِ عشق میں اہلِ وفا ہیں ایک طرف جواب سب کا شہؑ کربلا ہیں ایک طرف
ارادہ ہوتا ہے معلوم یہ مشیّت کا
ملے رسولؐ کو بھی مرتبہ شہادت کا

حسینؑ ہی کے ذریعے سے اس کی ہو تکمیل (۳۲) عطا ہو ان کو وہ رتبہ بقدرِ صبرِ جمیل
مثال جس کی نہ ہو کوئی اور نہ کوئی مثیل کل انبیاء تو ہیں اجمال مصطفیٰؐ تفصیل
اگر نبیؐ پہ نبوت کا خاتمہ ہوجائے
رضائے دوست ہے غم کی بھی انتہا ہوجائے

یہی حسینؑ کے قصدِ سفر کا مقصد ہے (۳۳) یہی ہے غم کا تقاضا اثر کا مقصد ہے
یہی خدا یہی پیغام بر کا مقصد ہے یہی حقیقتِ فتح و ظفر کا مقصد ہے
یہی سمجھ کے شہؑ مشرقین جاتے ہیں
تصورات یہ لے کر حسینؑ جاتے ہیں

نہ رہنے پائے مدینہ میں لو وطن چھوٹا (۳۴) بہار کروٹیں لینے لگی چمن چھوٹا
صدا یہ آتی تھی شاہنشہِ زمن چھوٹا اڑے گی خاک کہ مقصودِ انجمن چھوٹا
تڑپ رہا ہے دلِ داغدار سینے میں
حسینؑ رہ نہ سکے چین سے مدینے میں

نہیں ہوا یہ سفر حدِّ کربلا پہ تمام (۳۵) کہ ہے یہ نقطۂ آغاز اور ابد انجام
اسی سفر سے ہے امرِ حسینیتؑ کا قیام اسی سفر سے ہے زندہ حقیقتِ اسلام
مدینے سے تھا جو اک سلسلہ مدینے تک
وہ بڑھتے بڑھتے گیا بارہویں خزینے تک

بتا سکا نہ کوئی عالمِ حسینؑ کی حد (۳۶) حیاتِ حق ہے دلِ اعظمِ حسینؑ کی حد
خدا گواہ نہیں ماتمِ حسینؑ کی حد حسینؑ کی نہ کوئی ہے غمِ حسینؑ کی حد
جو درد رکھتا ہے منھ آنسوؤں سے دھوتا ہے
نہ رونے پائے حرم اور زمانہ روتا ہے

ہر ایک غم پہ ہے غالب غمِ امامِ حسینؑ (۳۷) فضا میں آج بھی محفوظ ہے کلامِ حسینؑ
دلوں کے درد میں ہے لذتِ پیامِ حسینؑ کہ جل رہے ہیں مگر صورتِ خیامِ حسینؑ
وہ بھولتا ہے کہیں جس کا گھر اجڑتا ہے
کہ یاد آتے ہیں وہ جب کوئی بچھڑتا ہے

جوانا مرگ پہ آتی ہے یاد اکبرؑ کی (۳۸) کوئی صغیر جو لیتا ہے راہ کوثر کی
نظر میں ہوتی ہے تصویر پیاسے اصغرؑ کی تسلیاں یہی ہوتی ہیں قلبِ مضطر کی
جدا جو ہوتا ہے بھائی کوئی برابر کا
خیال آتا ہے شبیرؑ کے برادر کا

کسی بزرگ کا اٹھتا ہے سر سے جب سایہ (۳۹) حسینؑ بنتے ہیں اس وقت آسرا دل کا
کفن کو دیکھ کے روتے ہیں اور اہلِ ولا تصورات میں ہوتا ہے بے کفن لاشا
زمینِ گرم کہاں شاہِؑ مشرقین کہاں
حسینؑ نازوں کا پالا ہوا حسینؑ کہاں

وطن سے دور کسی کو جو موت آتی ہے (۴۰) تو کاروانِ خدا پر نگاہ جاتی ہے
پیامِ غم جو ہوا کربلا سے لاتی ہے جگر کے زخم میں تاثیرِ درد پاتی ہے
بنا ہوا ہے شہِؑ مشرقین کا روضہ
ہے آج تک دلِ مومن حسینؑ کا روضہ

جو مرنے والا ہو کامل بھی اور عارف بھی (۴۱) بہ فیضِ عشق ہو مداحِ اہلِ بیتِؑ نبیؐ
تو ہر صفت ہے توجہ کو موڑنے والی بدل ہی دیتا ہے منزل خیالِ انسانی
غمِ حسینؑ سے دل بے قرار رہتا ہے
یہ امتحانِ وفا یادگار رہتا ہے

مسافرانِ عدم یہ سفر ضروری ہے (۴۲) جو واقعہ ہو غم انگیز اثر ضروری ہے
جگر کے ساتھ ہی دردِ جگر ضروری ہے بقدرِ جوہرِ فطرت نظر ضروری ہے
نبیؐ ہو گر تو شہِؑ مشرقین کو سمجھے
باعتبارِ حقیقت حسینؑ کو سمجھے

قلم کو روک لے ناصرؔ کہ ہے یہ وقتِ دعا (۴۳) حسینؑ ہی ہیں وسیلہ نجاتِ اُمّت کا
انہیں کے صدقے سے ملتا ہے زندگی کا مزا انہیں کے دم سے ہے دنیا میں اعتبارِ بقا
حیاتِ عشق کو برباد کر نہیں سکتے
جو ان کے چاہنے والے ہیں مر نہیں سکتے

مرثیہ

کس شیر پر عرب کی شجاعت کو ناز ہے (۱) طاقت پہ بے نیازیِ قدرت کو ناز ہے
تبلیغ کے حدودِ اشاعت کو ناز ہے بس انتہا یہ ہے کہ مشیت کو ناز ہے
تحریک بن کے ایک نئے انقلاب کی
قوت بڑھا دی کس نے رسالتمآبؐ کی

بچپن سے کی حمایتِ عزمِ پیمبریؐ (۲) کرتا رہا حدود کے اندر جو خاوری
بدلا عرب کا جس نے نظامِ مقدری پڑتی ہے جس کے نام سے جسموں میں تھرتھری
عالم میں جو اساسِ فروع و اصول ہے
جو ایک شاہکارِ جہادِ رسولؐ ہے

ہے ایک ہم نوا کی ضرورت رسولؐ کو (۳) درکار ہے شریکِ رسالت رسولؐ کو
حاصل ہے ماسوا پہ جو قدرت رسولؐ کو ہاتھ آیا ایسا مرکزِ قوت رسولؐ کو
رکھتا ہے اقتدار جو موت و حیات پر
غالب خدا کے بعد جو ہے کائنات پر

شاہد ہے جو نبیؐ کا لسانِ خدا بھی ہے (۴) جو ابتدا علوم کی ہے انتہا بھی ہے
شرعِ محمدیؐ کا جو اک مدعا بھی ہے پڑ جائے کوئی وقت تو مشکل کُشا بھی ہے
حامی جو ہے ازل سے الٰہی اصول کا
ہے منزلِ عمل میں سہارا رسولؐ کا

تبلیغِ مصطفیٰؐ کو ضرورت علیؑ کی تھی (۵) دنیائے ارتقا کو ضرورت علیؑ کی تھی
یہ کہیے ماسوا کو ضرورت علیؑ کی تھی ہر مقصدِ خدا کو ضرورت علیؑ کی تھی
تھیں مشکلیں حیات کی مُشکل کُشا نہ تھا
بندہ کوئی صفات کی حد تک خدا نہ تھا

انساں کا دل ٹٹول رہی تھی نظر ابھی (۶) ذہنِ بشر کو تول رہی تھی نظر ابھی
مضبوط گرہیں کھول رہی تھی نظر ابھی فطرت سمجھ کے بول رہی تھی نظر ابھی
پیغام کیا سناؤں مفکّر نہیں کوئی
ماحول کیا بنے گا کہ ناصر نہیں کوئی

میرے تصورات کو آگے بڑھائے کون (۷) پیغامِ کردگار جہاں کو سنائے کون
اقدامِ انقلاب کے نقشے بنائے کون عرفانِ درد ہی نہیں ایمان لائے کون
کون ایسا ہے شریکِ رسالتؐ کہیں جسے
رازِ درونِ پردۂ وحدت کہیں جسے

اس فکر میں تھا رہبرِ عالم کہ ناگہاں (۸) آئی قریبِ کعبہ جو اک برگزیدہ ماں
دیوار شق ہوئی تو ہوا رازِ حق عیاں معبود اور عبد میں پردہ رہا کہاں
آنے کو ہے خدا کا جو طاہر کیا ہوا
فرشِ حرم ہے دامنِ مریمؑ بنا ہوا

اے ناشناسِ مرتبہ یہ تو نے کیا کیا (۹) تشبیہ کا بھی تجھ کو سلیقہ نہیں ذرا
مریمؑ کجا طہارتِ آلِؑ عبا کجا کچھ یاد ہے ولادتِ عیسیٰؑ کا واقعہ
اک دن اسی طرح سے وہ تشریف لائی تھیں
بے چین ہو کے مادرِ عیسیٰؑ بھی آئی تھیں

آخر نتیجہ کیا ہوا تجھ کو خبر نہیں (۱۰) نافہم ان رموز پہ تیری نظر نہیں
آئی ندائے غیب کہ مریمؑ ادھر نہیں یہ خانۂ خدا ہے کوئی عام گھر نہیں
میری کنیز جائے ولادت نہیں ہے یہ
اس وقت مقتضائے مشیّت نہیں ہے یہ

موقع محل سے ہوتی ہے جو بات ہوتی ہے (۱۱) دن ہوتا ہے کبھی تو کبھی رات ہوتی ہے
قربت باعتبارِ ملاقات ہوتی ہے یعنی کشش بقدرِ کمالات ہوتی ہے
جذب نظر وہ اور نظارہ ہی اور ہے
چمکے گا جو یہاں وہ ستارا ہی اور ہے

مریمؑ پلٹ گئیں کہ یہی حق کی تھی خوشی (۱۲) اس گھر میں گو ولادتِ عیسیٰؑ نہیں ہوئی
پھر بھی نگاہیں کھا گئیں دھوکا عوام کی قومِ مسیحؑ بات جو کہنا تھی کہہ گئی
اہلِ نظر سمجھتے ہیں بندہ خدا کا ہے
دنیا پکارتی ہے کہ بیٹا خدا کا ہے

مریمؑ پلٹ گئیں کہ مشیّت کا تھا سوال (۱۳) معیار کا خیال تھا عظمت کا تھا سوال
اک آخری کمال رسالتؐ کا تھا سوال وحدت کی انجمن میں امامت کا تھا سوال
دنیا سمجھتی ہے کہ عبادت کدہ ہے یہ
گھر کیسا لامکاں کا امامت کدہ ہے یہ

اب سوچنا پڑا کہ حق آگاہ کیا کہیں (۱۴) واصل الوہیت سے کہیں یا جدا کہیں
امکان اور وجوب میں اک رابطہ کہیں بندہ کہیں کہ دل کی زباں میں خدا کہیں
یہ مسئلہ کبھی جو نصاریٰ اٹھائیں گے
اس سے قوی دلیل نصیری بھی لائیں گے

قبلِ نزول پڑھ دیا قرآن دیکھیے (۱۵) کسی حد پہ ہے امامؑ کا عرفان دیکھیے
یہ کمسنی یہ علم یہ ایقان دیکھیے آغوش میں رسولؐ کی ہیں شان دیکھیے
یہ منزلت ہے حافظِ اُمّ الکتاب کی
تصدیق ہو رہی ہے رسالتمآبؐ کی

وصف علیؑ بھی وصفِ رسالتمآب ہے (۱۶) یہ بھی ہے اور وہ بھی خدا کی کتاب ہے
بے مثل وہ اگر ہے تو یہ لاجواب ہے اک آفتاب اور پسِ آفتاب ہے
اس امر پر ولادتِ کعبہ گواہ ہے
اب بھی نظر نہ آئے تو نقصِ نگاہ ہے

سچ پوچھیے تو نورِ مجرّد ہے ایک ہی (۱۷) اصلِ علیؑ و اصلِ محمدؐ ہے ایک ہی
مقصود دو ضرور ہیں مقصد ہے ایک ہی دونوں کے اختیار کی سرحد ہے ایک ہی
جو مصطفیؐ کا نور ہے وہ مرتضیٰؑ کا نور
وہ بھی خدا کا نور ہے یہ بھی خدا کا نور

واللہ اک اضافۂ تخلیق ہے علیؑ (۱۸) عالم علوم حق کا بہ تحقیق ہے علیؑ
معراج میں رسولؐ کی توثیق ہے علیؑ پیغمبری نظام کی تصدیق ہے علیؑ
تبلیغ مصطفیؐ کا ہے مثلِ خدا گواہ
بھلا گواہ وہ ہے یہ ہے دوسرا گواہ

مفہومِ حق خلاصۂ افہام ہے علیؑ (۱۹) فیض حیات ہے کرمِ عام ہے علیؑ
آغاز ہے وجود کا انجام ہے علیؑ اسلام اور حقیقتِ اسلام ہے علیؑ
موقوف ہے علیؑ پہ شریعت رسولؐ کی
توحیدِ کردگارِ رسالت رسولؐ کی

اجمالِ علم غیب کی تفصیل ہے علیؑ (۲۰) دینِ خدا ہے دین کی تکمیل ہے علیؑ
تنزیل ہے کتاب کی تاویل ہے علیؑ واللہ اک حقیقتِ تہلیل ہے علیؑ
نافہم خود ہی اپنی جہالت میں کھو گیا
جس نے نہ مانا منکرِ توحید ہوگیا

قرآن کی ضمانتِ تفسیر ہے علیؑ (۲۱) آیاتِ محکمات کی تعبیر ہے علیؑ
تدبیرِ کل ہے قوم کی تقدیر ہے علیؑ اسمائے ذوالجلال کی تاثیر ہے علیؑ
یادِ خدا میں کہتا ہوں علیؑ علیؑ
دل میں علیؑ علیؑ ہے زباں پر علیؑ علیؑ
قدرت کو بولتا ہوا قرآن ہے علیؑ (۲۲) اسلام ہے رسولؐ کا ایمان ہے علیؑ
جو ہے دلِ وجوب وہ امکان ہے علیؑ پیغمبری ہے جسم اگر جان ہے علیؑ
دامانِ زندگی کو حقائق سے بھر دیا
عزم نبیؐ کو زندۂ جاوید کر دیا
عرشِ خدا پہ بھی سرِ بستر بھی ہے علیؑ (۲۳) نقطہ بھی علمِ غیب کا دفتر بھی ہے علیؑ
کامل بہ اعتبارِ پیغمبرؐ بھی ہے علیؑ وہم و گمان و عقل سے برتر بھی ہے علیؑ
مرکز سے اتّصال بھی کیا اتصال ہے
بس مختصر یہ ہے کہ خدا کا کمال ہے
انوارِ عالمِ احدیّت بھی ہے علیؑ (۲۴) معیارِ اعتبارِ حقیقت بھی ہے علیؑ
حقدارِ کائناتِ رسالتؐ بھی ہے علیؑ مختارِ کارخانۂ قدرت بھی ہے علیؑ
ہے مصدرِ جلال بھی مشتق بھی ہے علیؑ
حکمِ خدا سے قادرِ مطلق بھی ہے علیؑ
دل بھی علیؑ ہے دل کی تمنّا بھی ہے علیؑ (۲۵) نقشِ علو بھی مرکزِ اعلیٰ بھی ہے علیؑ
ہے منتہا عقول کا مبداء بھی ہے علیؑ اہلِ نظر کا دین بھی دنیا بھی ہے علیؑ
آئین اور اصول پہ احساں علیؑ کا ہے
مستقبلِ رسولؐ پہ احساں علیؑ کا ہے
عالم بھی ہے علوم کا معلوم بھی علیؑ (۲۶) ایمانِ کُل ہے شرع کا مفہوم بھی علیؑ
قاسمؑ بھی ہے قسیم بھی مقسوم بھی علیؑ راقم بھی ہے کتاب کا مرقوم بھی علیؑ
حق کی نظر میں حاصلِ علمِ کتاب ہے
یہ اعتبارِ علمِ ولایت مآب ہے
عرفانِ کردگار ہے عارف بھی ہے علیؑ (۲۷) ہے پردہ دارِ راز بھی کاشف بھی ہے علیؑ
موصوف بھی صفت بھی ہے واصف بھی ہے علیؑ تصنیف و شاہکارِ مصنّف بھی ہے علیؑ
جو مظہرِ صفاتِ احد ہو وہ کیا نہیں
میں اتنا جانتا ہوں کہ غیرِ خدا نہیں

ایجاد بھی ہے غایتِ ایجاد بھی علیؑ (۲۸) راشد بھی ہے رشید بھی ارشاد بھی علیؑ
رہبر بھی جبرئیلؑ کا استاد بھی علیؑ بھائی بھی مصطفیٰؐ کا ہے داماد بھی علیؑ
کھولا یہ راز وحی کی شانِ نزول نے
تلوار دی خدا نے تو بیٹی رسولؐ نے

شاہد بھی ہے شہادتِ مشہود بھی علیؑ (۲۹) ساجد بھی ہے حقیقتِ مسجود بھی علیؑ
عابد بھی ہے عبادتِ معبود بھی علیؑ حامد بھی ہے فضیلتِ محمود بھی علیؑ
روحِ پیمبری بھی دلِ مصطفیٰؐ بھی ہے
بندہ خدا کا ہے تو کسی کا خدا بھی ہے

تاسیسِ دینِ احمدِؐ مختار ہے علیؑ (۳۰) اعلانِ حقِّ سیّدِ ابرار ہے علیؑ
شرحِ رموزِ عالمِ اسرار ہے علیؑ اوصافِ کردگار کا معیار ہے علیؑ
تطبیق ہے صنعت کی ملابق بھی ہے علیؑ
مخلوق بھی ارادۂ خالق بھی ہے علیؑ

محبوبِ کردگار کا اعجاز ہے علیؑ (۳۱) تبلیغ کے لیے سببِ ناز ہے علیؑ
معراج کی غرض جو ہے وہ راز ہے علیؑ پردہ نشینِ غیب کی آواز ہے علیؑ
اب ماننا پڑے گا کہ اصلِ وجود ہیں
قوسین کے قریب علیؑ کے حدود ہیں

علم و کمال کا ہو کہ حکمت کا سلسلہ (۳۲) قرآں ہو یا حدیث و روایت کا سلسلہ
شرعی امور ہوں کہ طریقت کا سلسلہ ہر رنگ میں ہے جس کی ہدایت کا سلسلہ
جو شاہکار بن گئے ماضی و حال کے
سارے خطوط ہیں یہ علیؑ کے خیال کے

جس نے قدیم فکر کا جادہ بدل دیا (۳۳) وہ نقطۂ نظر حکماء کا بدل دیا
انسان کے دماغ کا سانچا بدل دیا رکھّا قدم جہاں میں زمانہ بدل دیا
جاہل عرب کو صاحبِ ایمان بنا دیا
ذرّوں کو آفتابِ درخشاں بنا دیا

کی راہِ سعیٔ میں سبقت اس جناب نے (۳۴) پائی تھی قوّتِ عملی بوترابؑ نے
سینچا ہے باغ عالمِ علمِ کتاب نے تفسیرِ زندگی رسالتمآبؐ نے
فاقوں میں بھی عمل کی یہ رفتار دیکھیئے
کہتے ہیں اس کو وحدتِ کردار دیکھیئے

بھوکے رہے سریرِ حکومت پہ بیٹھ کے (۳۵) کی عمر صرف مسندِ حکمت پہ بیٹھ کے
کیا سادگی تھی تختِ خلافت پہ بیٹھ کے بدلی روش نہ فرشِ امارت پہ بیٹھ کے
یہ زندگی بھی ایک مشیّت کا راز ہے
وہ کارساز ہے تو یہ کردار ساز ہے

اک انقلاب کردیا غازی جدھر گیا (۳۶) کرنے کا تھا جو کام وہی کام کر گیا
آ آ کے سر سے ابرِ حوادث گزر گیا بیداد کا چڑھا ہوا دریا اتر گیا
چکّر میں سارا عالمِ الحاد آگیا
منکر جو تھے انھیں بھی خدا یاد آگیا

اسلام میں علیؑ کی شجاعت ہے معجزہ (۳۷) قوّت بقدرِ شانِ امامت ہے معجزہ
میداں میں احتیاطِ بصیرت ہے معجزہ ان کے لیے تو ایک حقیقت ہے معجزہ
ہر جنگ میں اصول کی تائید کر گئے
مضبوط اور رشتۂ توحید کر گئے

اس شان کا اگر ہو غضنفر کوئی تو آئے (۳۸) حق کے جلال کا جو ہو مصدر کوئی تو آئے
اوصافِ کبریا کا ہو مظہر کوئی تو آئے بن سکتا ہو شریکِ پیمبرؐ کوئی تو آئے
کر جائے نام قلعۂ خیبر کو توڑ کے
رکھ دے غرورِ ظلم کا پنجہ مروڑ کے

لے کر علم وقارِ نبوتؐ نہ بھول جائے (۳۹) آئینِ حرب و ضربِ رسالتؐ نہ بھول جائے
پیغمبریؐ اصول کی عظمت نہ بھول جائے میداں میں آکے اپنی حقیقت نہ بھول جائے
قوّت سے گر دبا نہ سکے انقلاب کو
تنہا نہ چھوڑ جائے رسالتؐ مآب کو

گر مقتضائے وقت سے ہٹنا ضرور ہے (۴۰) آواز پر نبیؐ کے پلٹنا ضرور ہے
تختہ ستمگری کا الٹنا ضرور ہے دشمن پہ تیغ اٹھا کے جھپٹنا ضرور ہے
اللہ کے نبیؐ کی صداقت میں شک نہ ہو
یہ شرطِ جنگ ہے کہ نبوت میں شک نہ ہو

خیبر کی جنگ کر گئی قوّت کا فیصلہ (۴۱) یہ فیصلہ تھا اصل میں قدرت کا فیصلہ
حق میں یداللہی کے ہے طاقت کا فیصلہ کثرت کا فیصلہ نہیں وحدت کا فیصلہ
آشوبِ چشم کاشفِ اوصاف ہوگیا
میدان تین دن کے لیے صاف ہوگیا

کتنی عجیب تھی یہ ہزیمت نہ پوچھیئے (۴۲) گزری جو معرکے میں قیامت نہ پوچھیئے
سردارِ فوج کی وہ حکایت نہ پوچھیئے شکوے نہ پوچھیئے وہ شکایت نہ پوچھیئے
صدمہ ہوا وہ قلبِ رسالتؐ مآب کو
کہنا پڑا بحکمِ خدا اس جناب کو

کل دوں گا میں علم اُسے جو باوقار ہے (۴۳) یعنی جو حق پرست نبوتؐ شعار ہے
کونین پر جسے بخدا اختیار ہے کرّار ہے جو رزم کا پروردگار ہے
عاشق جو ہے خدا کا اور اس کے رسولؐ کا
پکا ہے اپنے دہن کا سچا اصول کا

وحدت کو اس سے اُنس رسالتؐ کو عشق ہے (۴۴) رحمت کو ربط خاصِ مشیّت کو عشق ہے
وہ نقشِ معتبر ہے کہ صنعت کو عشق ہے قدرت کو عشق خانۂ قدرت کو عشق ہے
رکھ دے گا ظلم و جور کی دنیا اجاڑ کے
پلٹے گا صف شکن درِ خیبر کا اکھاڑ کے

خواہش سبھی کی تھی کہ نشانِ کرم ملے (۴۵) شوکت بڑھے ہمیں کو یہ عزّ و حشم ملے
سردارِ فوج ہوں تو نبوت ہمم ملے ہر شخص چاہتا تھا کہ ہم کو علم ملے
جچتا ہے آج کون نگاہِ حضور میں
بندوں کو دخل کیا ہے خدائی امور میں

وہ رات اشتیاق میں آخر بسر ہوئی (۴۶) بدلا تصورات کا منظر سحر ہوئی
بعدِ نماز منتظرِ حق نظر ہوئی شایانِ مبتدائے رسالتؐ خبر ہوئی
پوچھا رسولؐ نے ہے خدا کا ولی کہاں
اس جنگ کا ہے فاتحِ اعظم علیؑ کہاں

یاروں نے عذر بھی کیا آشوبِ چشم کا (۴۷) لیکن رسولؐ واقفِ امرِ الٰہ تھا
دفتر کشائے حق نے علیؑ کو طلب کیا پانی بڑے بڑوں کی امیدوں پہ پھر گیا
گردن اٹھا اٹھا کے جنھیں انتظار تھا
قابو میں اب نہ ان کا دلِ بے قرار تھا

آئے علیؑ جو عزمِ رسالتؐ لیئے ہوئے (۴۸) ذوقِ نظر میں جلوۂ وحدت لیئے ہوئے
دل میں خدا کی دی ہوئی طاقت لیئے ہوئے آگے بڑھے رسولؐ بھی رایت لیئے ہوئے
ارشاد یوں ہوا یہ امانت نبیؐ کی ہے
دستِ خدا کے ہاتھ میں عزّت نبیؐ کی ہے

تسلیم کرکے لے لیا کرّار نے علم (۴۹) عزمِ جہادِ احمدِؐ مختار نے علم
پایا ہے آج صاحبِ کردار نے علم فوجِ خدا کے قافلہ سالار نے علم
رایت کا اعتبار جہادِ ولی پہ ہے
دوشِ نبیؐ پہ وہ تھے یہ دوشِ علیؑ پہ ہے

بیٹھے فرس پہ رخ سوئے میداں کیے ہوئے (۵۰) ہر حال میں تہیّۂ طوفاں کیے ہوئے
قصدِ فروغِ نیّرِ ایماں کیے ہوئے قبضے میں نظمِ عالمِ امکاں کیے ہوئے
مانندِ برقِ طور غضنفر پہنچ گیا
دم بھر میں نزدِ قلعۂ خیبر پہنچ گیا

مرحب یہ سن کے ٹھاٹھ بدلتا ہوا بڑھا (۵۱) اک اژدھا تھا زہر اگلتا ہوا بڑھا
کچھ دیکھتا ہوا یہ سنبھلتا ہوا بڑھا کم ظرف کا تھا جوش ابلتا ہوا بڑھا
کس سے مقابلہ ہے شقی جانتا نہ تھا
یہ شیرِ کردگار ہے پہچانتا نہ تھا

کرنے لگا یہ غیظ میں ڈوبا ہوا کلام (۵۲) ظاہر کیا رجز میں کہ مرحب ہے مرا نام
سنتے ہی مسکرانے لگا آسماں مقام کس فاتحانہ شان سے گویا ہوا امامؑ
میری دغا کی دھاک ہے سارے زمانے میں
حیدرؑ پکارتے ہیں مجھے سب گھرانے میں

سنتے ہی نامِ شیرِ خدا ہوش اڑ گئے (۵۳) بس اب قدم اکھڑنے ہی کو تھے لعین کے
لیکن وہ باخبر تھا جو آئینِ حرب سے میداں سے بھاگنا نہ گوارا ہوا اسے
آمادہ جنگ پر ہوا خنجر نکال کے
حملہ کیا ہزبر پہ دل کو سنبھال کے

خالی گیا جو وار تو کس بل نکل گیا (۵۴) لو تا حدودِ قلعہ پیامِ اجل گیا
ہشیار کہہ کے شیرِ دلاور سنبھل گیا کھینچی جو تیغ جنگ کا نقشہ بدل گیا
ٹھہرا مقابلہ پہ یہ قسمت کا پھیر تھا
جھپکی نہ تھی پلک کہ زمیں پہ وہ ڈھیر تھا

فوجوں کے پاؤں اٹھ گئے یہ رنگ دیکھ کر (۵۵) ہیبت سے چھپتے پھرتے تھے ظالم اِدھر اُدھر
آگے بڑھا مجاہدِ اکبر یہ کرّوفر دروازہ بند کرنے لگے بانیانِ شر
دو انگلیوں سے دامنِ باطل کو پھاڑ کے
صفدر نے دم لیا درِ خیبر اکھاڑ کے

پلٹا دلیر رزم کا میداں لیئے ہوئے (۵۶) نظروں میں ایک عالمِ عرفاں لیئے ہوئے
اسلام کی حیات کا ساماں لیئے ہوئے تائیدِ غیب و قوّتِ یزداں لیئے ہوئے
اس منزلِ کمال پہ دیکھا جو بھائی کو
آگے بڑھے رسولؐ خدا پیشوائی کو

فرمایا اس نزاکتِ مشکل کو کیا کروں (۵۷) جی چاہتا تھا آج تمھاری ثناء کروں
جو حق ہے مدحتِ علوی کا ادا کروں میں سوچتا یہ ہوں کہ اگر ابتداء کروں
دنیا نہ بول اٹھے کہیں اس کے جواب میں
جو کہہ چکی ہے عیسیٰؑ مریمؑ کے باب میں

اتنا مگر کہوں گا میں اے فخرِ اولیا (۵۸) تم مجھ سے ہو میں تم سے ہوں یا شاہؐ لافتیٰ
کہنا جو تھا وہ ایک ہی جملے میں کہہ دیا عظمت وہ ہے خبر کی جو ہے شانِ مبتدا
ثابت ہوا بوقتِ عمل کامیاب ہیں
یہ منزلِ شرف میں رسالتمآبؐ ہیں

پردہ کی تھی جو بات وہ پردے ہی میں رہی (۵۹) کھل کر محمدؐ عربی نے نہیں کہی
کافی نصیریوں کو اشارہ ہوا یہی اک وقت آگیا کہ چھڑا مسئلہ وہی
ان کی عقیدتوں میں اضافہ بھی ہوگیا
امکان پر وجوب کا دھوکا بھی ہوگیا

المختصر جو سر ہوا خیبر کا معرکہ (۶۰) پلٹے رسولؐ ساتھ لیئے رحمتِ خدا
پہنچا قریبِ منزلِ صہبا جو قافلہ اترے بہ حکم وحیِ شہنشاہؐ انبیاء
وہ احتیاطِ شاہؐ مدینہ نہ پوچھیئے
فطرت کی سادگی کا قرینہ نہ پوچھیئے

ٹھہرے وہاں رسول کچھ آرام کے لیئے (۶۱) آغاز منتظر تھا خود انجام کے لیئے
دن راستے سے ہٹنے لگا شام کے لیئے تکیہ نہ تھا جو بانیِ اسلام کے لیئے
مرغوب تھی جو آپ کو خوشبوئے مرتضیٰؑ
سر رکھ کے سو گئے سرِ زانوئے مرتضیٰؑ

کیا خواب تھا کہ جس پہ ہیں پابندیاں نثار (۶۲) صہبا کیسر زمین پہ ہے آج آسماں نثار
مہر و مہ و نجوم فدا کہکشاں نثار یہ بھی جہاں نثار ہے وہ بھی جہاں نثار
ہے آفتاب رخ سوئے مغرب کیئے ہوئے
رجعت کا اشتیاق نظر میں لیئے ہوئے

ڈوبا جو مہر ہوگئے بیدار مصطفیٰؐ (۶۳) پوچھا نمازِ عصر پڑھی تم نے مرتضیٰؑ
کی عرض اشاروں ہی سے فریضہ ادا کیا دونوں اطاعتیں ہوئیں مقبولِ کبریا
ظاہر ہوئی ہے آج جلالت رسولؐ کی
کچھ کم نہیں نماز سے خدمت رسولؐ کی
اٹھے رسولؐ اور خدا سے دعا یہ کی (۶۴) پلٹا دے آفتاب کو مالک پئے علیؑ
تاریخ ہے گواہ دعا ختم جو ہوئی مغرب کی سمت سے ہوئی ناگاہ روشنی
طالع فلک پہ مہرِ جہاں تاب ہوگیا
تمہیدِ معجزہ بخدا خواب ہوگیا
ساقی نظر میں منزلِ صہبا ہے یا نہیں (۶۵) تیرے تصرفات میں اس وقت کیا نہیں
ساغر میں آفتاب کے اب تک پیا نہیں یہ جامِ نو ابھی مجھے تو نے دیا نہیں
کم ظرف وہ ہے مے کا جو عاشق نہیں ہے آج
کچھ امتیازِ مغرب و مشرق نہیں ہے آج
یہ کارنامہ ہوگیا میرے امامؑ کا (۶۶) ساقی یہی تو وقت ہے مینا و جام کا
موقع یہ نام کا ہے زمانہ ہے کام کا تجھ کو اثر بڑھانا ہے میرے کلام کا
پروا نہیں جو رنگ بدلتا رہے کوئی
جلتا ہے گر شراب سے جلتا رہے کوئی
ساقی گھٹائی جاتی ہے قیمت شراب کی (۶۷) کم ظرف کو نہ ہوگی ضرورت شراب کی
کیا کم کرے گا کوئی فضیلت شراب کی اللہ کی نظر میں ہے عظمت شراب کی
گلزارِ معرفت میں اسی کی بہار ہے
ہر ساغرِ شراب تری یادگار ہے
تحریمِ جام ہے مجھے قرآن ساقیا (۶۸) اسلام ہے یہی مرا ایمان ساقیا
بن جاؤں فیضِ بادہ سے انسان ساقیا کھوٹے کھرے کی ہے یہی پہچان ساقیا
معیارِ اعتبار محبّت یہی تو ہے
حکمِ خدا سے اجرِ رسالتؐ یہی تو ہے
ساقی گرہ کشائے مسائل یہی تو ہے (۶۹) توحید کا تصوّرِ کام یہی تو ہے
عشقِ خدا بھی درد بھرا دل یہی تو ہے تبلیغِ ہر رسولؐ کا حاصل یہی تو ہے
یہ جوہرِ کمالِ رسالتمآبؐ ہے
اک جذبۂ حیاتِ ولایت مآب ہے

جو اعتبارِ شرعِ پیمبرؐ ہے وہ شراب (۷۰) جو ضامنِ محبّتِ حیدرؑ ہے وہ شراب
جو ایک رازِ عالمِ اکبر ہے وہ شراب جو طاہر و طہور و مطہر ہے وہ شراب
جو خانۂ رسولؐ میں مانی گئی وہ مے
زیرِ کسا جو دقت پہ چھانی گئی وہ مے

جو ناشرِ فضیلتِ آدمؑ ہے وہ شراب (۷۱) جو شاہدِ طہارتِ مریمؑ ہے وہ شراب
عیسیٰؑ کا زہد جس سے مسلّم ہے وہ شراب جو مقصدِ پیمبرِؐ اعظم ہے وہ شراب
جس نے کیا خیال مسلمان ہوگیا
جو میکدے میں آگیا مسلمان ہوگیا

جو امتحانِ ذوقِ محبّت ہے وہ شراب (۷۲) جو شرحِ زندگیِ نبوت ہے وہ شراب
کعبے میں جو ثبوتِ ولادت ہے وہ شراب مسجد میں جو دلیلِ شہادت ہے وہ شراب
جس کی بقا کے واسطے حیدرؑ ہوئے شہید
بس انتہا ہے ساقیٔ کوثر ہوئے شہید

اے اہلِ دل علیؑ کی شہادت کا دن ہے آج (۷۳) شرعِ محمدیؐ پہ مصیبت کا دن ہے آج
کہتا ہے دل کہ درد کی شدّت کا دن ہے آج مسجد پکارتی ہے قیامت کا دن ہے آج
محراب ہے اداس کہ حق کا ولی نہیں
سونا ہے آج عرشۂ منبر علیؑ نہیں

ہے زلزلے میں کعبے کی دیوار دیکھنا (۷۴) لٹنے کو ہے بسا ہوا گلزار دیکھنا
زخمی ہے آج صاحبِ کردار دیکھنا اجڑا ہوا رسولؐ کا دربار دیکھنا
اسلام کی وہ شان وہ شوکت نہیں رہی
محبوبِ ذوالجلال کی قوّت نہیں رہی

دینِ خدا کا یاور و ناصر نہیں رہا (۷۵) مقصودِ حق شریکِ پیمبرؐ نہیں رہا
تھی جس کی دھاک اب وہ غضنفر نہیں رہا آئینۂ جلالتِ داور نہیں رہا
پہنچا قریبِ عرشِ بریں آہ کی طرح
مخفی نظر سے ہوگیا اللہ کی طرح

دانندۂ رموز و معانی نہیں رہا (۷۶) قرآن کا مذاقِ لسانی نہیں رہا
الفاظ میں وہ زورِ بیانی نہیں رہا نازِ حقیقتِ ہمہ دانی نہیں رہا
عارف نہیں تو سرِّ الٰہی بتائے کون
منبر سے اب پیام سلونی سنائے کون

پیغمبرِ حیات کا شہکار کیا ہوا (۷۷) کُل انبیاءؑ کا تھا جو مددگار کیا ہوا
وہ مرضیٔ خدا کا خریدار کیا ہوا سارے جہاں کا مالک و مختار کیا ہوا
دنیا سے کوچ شاہِ حجازی کا ہوگیا
مسجد میں جذب خون نمازی کا ہوگیا

نکلے تھے گھر سے ذوقِ عبادت لیئے ہوئے (۷۸) نظروں میں کائناتِ شریعت لیئے ہوئے
تھا ہر قدم جو منزلِ وحدت لیئے ہوئے مسجد میں آئے شوق شہادت لیئے ہوئے
قائم جہاں میں درد کا معیار ہوگیا
فتنہ جو سورہا تھا وہ بیدار ہوگیا

مشغول بندگی جو ہوا جانِ بندگی (۷۹) آخر حدوں میں آگیا عرفانِ بندگی
ذکرِ خدا تھا حاصلِ ایقانِ بندگی سجدہ کیا تو اور بڑھی شانِ بندگی
محوِ سجود پا کے اُنھیں وار کر دیا
کعبے کو بت پرست نے مسمار کر دیا

گونجی صدا فضا میں ہوئے مرتضیٰؑ شہید (۸۰) گھر میں خدا کے ہوگئے شیر خدا شہید
اک حشر تھا ہوئے جو امامِؑ ہدا شہید جیسے کہ ہوگئے ہیں تمام انبیاءؑ شہید
ارکان دین و رشد و ہدایت اُکھڑ گئے
مرجھایا ایک گل کہ گلستاں اُجڑ گئے

فرزندوں نے سنی جو یہ آوازِ دل فگار (۸۱) صدمے سے ہوگئے دلِ معصوم بے قرار
سمجھے حسنؑ حسینؑ کہ ہے رخصتِ بہار اب ختم خاندانِ رسالتؐ کا ہے وقار
تاریخ آخری ہے سفر بوترابؑ کا
پلٹے گا پھر نہ دور رسالتؐ مآب کا

مسجد میں آئے جب تو بڑھا اور اضطراب (۸۲) دیکھا لہو میں اپنے تڑپتے ہیں بوترابؑ
لکھتے ہیں خونِ پاک سے تاریخِ انقلاب کرتے ہیں انتظارِ حسنؑ آسماں جناب
اس دم امامؑ کو بھی تلاشِ امامؑ ہے
وقتِ نماز کا جو بڑا احترام ہے

فرمایا اے حسنؑ یہ ضروری ہے لاکلام (۸۳) در پیش ہے نمازِ جماعت کا انتظام
آگے بڑھو نماز پڑھاؤ باہتمام بیٹا اب آج سے ہو زمانے کے تم امامؑ
مطلب یہ تھا کہ حاصلِ پیغمبریؐ ہو تم
معبود کی نظر میں بجائے علیؑ ہو تم

فارغ نمازِ صبح سے جب مجتبیٰؑ ہوئے (۸۴) قبلے کی سمت سے طرفِ کعبہ مڑ گئے
جاری لہو تھا زخم سے کیونکر سنبھالتے یہ مشکلات حل ہوئے آخر گلیم سے
دشوار مرحلہ جو تھا آسان ہوگیا
اس طرح لاش اٹھانے کا ساماں ہوگیا

فریاد از غریبیِ و بے یاریِ حسینؑ (۸۵) اکبرؑ کہاں تھے از پئے غم خواریِ حسینؑ
کی صرف بے کسی نے طرف داریِ حسینؑ ہر امتحاں سے بڑھ کے ہے دشواریِ حسینؑ
زینبؑ کے حق میں یہ بھی قیامت کا دور ہے
لیکن وہاں نشیب کا منظر ہی اور ہے

سچ ہے شہادتِ علوی کا ہے یہ بھی راز (۸۶) مقصود ہے عبادتِ معبودِ بے نیاز
اک باپ کی نماز تھی بیٹے کی اک نماز پھر بھی حسینؑ کو ہے مصائب میں امتیاز
زندہ انھیں مکاں میں تقدیر لا سکی
لیکن نہ ان کی لاش بھی خیمے میں جاسکی



مونسؔ کے مرثیے (جلد اوّل)
شائع ہوگئی ہے
ترتیب وتدوین : اصغر مہدی اشعر

مونسؔ کے مرثیے (جلد دوم)
زیرِ طبع
ترتیب وتدوین : اصغر مہدی اشعر

فرہنگِ مرثیہ
زیرِ طبع
ترتیب وتدوین
اصغر مہدی اشعر

ابرؔ جون پوری کے مرثیے
(شائع ہوگئی ہے)
ترتیب وتدوین
اصغر مہدی اشعر

فراستؔ زیدی پوری کے مرثیے
(زیرِ طبع)
ترتیب وتدوین
اصغر مہدی اشعر

غیر مطبوعہ مرثیہ۔ وجیہ نخیلہ

مرثیہ نگار: عادلؔ مختار

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شام سے جنگ میں ساباط مدائن کے واقعات سے پہلے امام حسنؑ نخیلہ کے مقام چالیس ہزار کے لشکر کے ساتھ دس دن کا قیام فرماتے ہیں مگر جنگ سے پہلے اور اپنے لشکر ہے حصار میں ہی وقت کے تنہا ترین سردار ثابت ہوتے ہیں۔ نخیلہ میں سازشوں کے سائے اس قدر گہرے ہوجاتے ہیں کہ بہت سے مورخین بشمول شیخ مفید لکھتے ہیں کہ اس جنگ کا اختتام صلح ہوگی یہ بات نخیلہ ہی میں طے پا گئی تھی۔

اس مرثیے میں سبز قبا، شام، آشوب بیروں اور پیکار دروں ایسی علامتوں سے امام حسنؑ کی تنہائی کو تخلیق کیا گیا ہے۔ چونکہ اس مقام پر امام حسنؑ پر جذباتی، نفسیاتی اور سازشی حملے ہوئے تھے لہٰذا اس مرثیے میں معقول غربت محسوس اور محسوس غربت معقول سطح پر تخلیق ہوئی ہے۔

مرثیہ

اک شام مسلط کے دباو میں فضا ہو (۱) اک عرصۂ پامال میں مبہوت ہوا ہو
اک ریگ فنا رنگ کا بن ، دشت وغا ہو اور دشت کا دل خوف سے جب ڈوب رہا ہو
ممکن نہ ہو بے معرکہ رہنا یہاں یوں بھی
آشوب ہو بیروں تو ہو پیکار دروں بھی

اس حال میں حالات ہوں خود معرکہ آموز (۲) آشوب کا ہنگام ہو ہنگامۂ دل دوز
پیکار مسلسل کی حرارت ہو جگر سوز بے واقعہ رہ جائے کہیں ہائے وہی روز
دل حشر پہ مائل ہو پہ اٹھے نہ قیامت
کیوں صاحب امروز پہ گزرے نہ قیامت

ہو ایسی ہوا خواب سے ذرے نہ جگائے (۳) میدان وغا میں نہ کہیں گرد اڑائے
ماحول کہ خود مشعل ہمت کو بجھائے وزنی ہوں بتدریج سیہ شام کے سائے
یہ وزن اٹھانے کو اگر دل نہ رہیں تو؟
اس تیرگی سے جنگ کے قابل نہ رہیں تو؟

تا حد نظر بہر نظر جبکہ ہو فقدان (۴) ہر لمحہ گزرتا ہوا ہو نامۂ نقصان
کچھ کھونے کا احساس ہو اور ہو بھی ہر اک آن میداں ہو پہ میدان ہو تنہائی کا میدان
سو زخم ہوں اور درد ہو اک ہمدم زخمی
فریاد کی تصویر ہو اک پرچم زخمی

منظر ہو تو منظر ہو خلاوں کا وہ منظر (۵) ماحول ہو پر بہر فشار اور پئے شر
انفاس سے میداں کی مزاحم ہو ہوا گر گرد اپنے نظر گاہ کرے صاحب لشکر
دیکھے تو وہ دیکھے کہ وہ سالار ہے تنہا
پیکار ازل کا وہ ابد بار ہے تنہا

کیسے کوئی ہو سکتا تھا اس شام کا حامی (۶) گردن میں نہ تاریکی کا تھا طوق غلامی
روشن تھا موقف ، تھی حمایت میں نہ خامی ہے حادثہ طرفہ دل روشن ہوئے شامی
جب ماہ نخیلہ کی معیت میں ضیا ہے
جو دور ہوا اس سے وہ تاریک ہوا ہے

دن رزم کا روشن تھا ہوئی کیسے سیاہی (۷) دن شام ہوا جب ہوئی سازش سے تباہی
ظلمت کے تو بس میں تھا یہی حربۂ شاہی تحلیل ہوئے شام میں تاریک سپاہی
تاریک نہ تھا رن نہ عوارض تھے بصر کو
دھاتوں کی چمک کر گئی بے نور نظر کو

اس جا ہے خلا تھی جہاں تلواروں کی بھرمار (۸) اس جا ہے خلا تھا جہاں اک لشکر جرار
اس جا ہے خلا تھے جہاں عرصے کے نمودار اس جا ہے خلا تھے جہاں اس رن کے طلب گار
اب نقشۂ غم ہے، جہاں لشکر کا خلا ہے
اور نقشۂ غم سبز قبا دیکھ رہا ہے

دیکھے جو پلٹ کر تو نہیں لشکر جی دار (۹) بے چہرہ سے کچھ پیکروں کا ہے کوئی انبار
سائے ہیں موقف نہیں رکھتے ہیں جو زنہار بے نقش قدم ان کے تلے کا ہے فنا زار
ایسے میں نکلتا ہے سیہ شام کا آسیب
سایوں کو نگلتا ہے سیہ شام کا آسیب

سائے نہ تھے لشکر تھا فدائی تھے فدائی (۱۰) روشن تھے رخ و دست عزائم سے، دہائی
کچھ سیم تو کچھ زر سا دیا رن میں دکھائی اس کار فسوں بعد قیامت نظر آئی
داغوں میں نظر آنے لگا ماہ نخیلہ
ہالے میں ہی، گہنانے لگا ماہ نخیلہ

یہ سحر زر و سیم تھا اک حربۂ وحشت (۱۱) اک ساعقہ لمحے کو تھا بعد اس کے تھی ظلمت
ہے لشکر ظلمانی کی ماحول میں شرکت سایوں کی ملی شام کی تاریکی سے خصلت
لمحے کی چمک کو نہ سمونا تھا یہاں تک
اس شام نے تاریک نہ ہونا تھا یہاں تک

لمحے کی چمک تا بہ ابد شام کا سودا (۱۲) لمحے کی چمک اور ہمیشہ کا اندھیرا
لمحے کی چمک دھات کی اور روح کا گھاٹا لمحے کی چمک اور نگاہوں کا وہ چھننا
لمحے میں موقف سے سرکنا ہی یہیں تھا
لمحے میں نہیں زیر قدم فرش زمیں تھا

سایوں کا یہاں سینہ و دل چاک نہ رہنا (۱۳) سایوں کی سیہ شام پہ کچھ دھاک نہ رہنا
دست نجس شام ہو تر ، پاک نہ رہنا اس ہاتھ سے دھاتوں کو لیے ، خاک نہ رہنا
کیا معرکہ اس لشکر درھم پہ ہے موقوف
ہرگز نہیں بس صاحب پرچم پہ ہے موقوف

لشکر کی جگہ ہے اب ہے اسی نور کا سایا (۱۴) اس سائے نے نقش اپنا سر شام بٹھایا
پھر سایہ بڑھا حد فنا زار پہ آیا تنہائی کو خود معشر اثبات بنایا
ریتی پہ ہویدا ہے ابھی سایۂ پرچم
قرطاس پہ پیکار کے ہے آیۂ پرچم

ہے پرچم حق پنجۂ یک سبز قبا میں (۱۵) تسبیح کا ہے شور بپا ارض و سما میں
تحمید کے ابعاد منور ہیں فضا میں استادہ ہیں تمجید کے لشکر بھی خلا میں
بے تاب کہاں مان سکے فتح مبیں کو
سائے نہ یہاں جان سکے فتح مبیں کو

وہ سبز قبا ماہ جبیں وجہ یقیں ہے (۱۶) وہ شان فلک شان زمیں وجہ یقیں ہے
پیکار ازل کا وہ امیں وجہ یقیں ہے وہ حسن کی حجت وہ حسیں وجہ یقیں ہے
زخموں میں بھی اس نور سے دل شام کا شق ہے
تنہا ہے موقف پہ تو تنہائی بھی حق ہے

وہ سبز قبا سایۂ شامی کی ہزیمت (۱۷) وہ سبز قبا نور ابد تاب کی شدت
وہ سبز قبا نور ازل غیب کی صورت وہ سبز قبا فتح حقیقت کی علامت
ہے گرد بھرا رُخ پہ حقیقت تو عیاں ہے
تاریک خموشی میں یہی نور بیاں ہے

وہ سبز قبا جس کا کہ سایہ بھی سپہ ہے (۱۸) وہ سبز قبا جس کی نگہ حق کی نگہ ہے
وہ سبز قبا جس کی قبا نور پنہ ہے وہ سبز قبا تابش شمس و رخ مہ ہے
مہجور بھی ہو کر نہیں تردید ہوئی ہے
تنہائی حق صورت توحید ہوئی ہے

جب مورد بیداد ہو پرچم کا پھریرا (۱۹) ماحول نے ہر سمت تعاون کو ہو گھیرا
تنہائی کے باعث متجاوز ہو اندھیرا پرچم نہ کھلے زور لگائے وہ بہتیرا
بس پنجۂ سالار کا احساس ہے کافی
لہرانے کو اک موجۂ انفاس ہے کافی

سانسوں کے مطابق ہے نشاں زندگی آثار (۲۰) انفاس ہیں تنہائی سے جو بر سر پیکار
اک ساز نفس ہے جو موقف کا ہے معیار ہے شام کے آسیب کو ہر سانس گراں بار
آوازۂ انفاس اگر گونج رہا ہے
بس معرکہ اثبات و بطالت کا بپا ہے

تابندہ تر و زندہ و خورسند و برو مند (۲۱) مختار پہ آئین مشیت کا ہے پابند
رخ سوے فلک کر کے لیے سرد نفس چند اک آن کو سالار نے آنکھوں کو کیا بند
خاموش ، پہ ہے درد بیانی کی روانی
پلکوں تلے ہے بحر معانی کی روانی

بند آنکھوں کا اور غیب کا کیا ربط ہے باہم (۲۲) کن کی ہے صدا ضبط کی پلکوں سے دما دم
پلکوں کی یہ لرزش بھی قیامت سے نہیں کم اک حشر انھیں پلکوں تلے برپا ہے پیہم
وہ حشر عیاں ہو تو یہی دشت جلا دے
اس عرصۂ امکاں کو عدم پل میں بنا دے

یہ لرزش مژگاں ہے عجب مرحلۂ غور (۲۳) یہ غور ہے انوار مشیت میں بہر طور
خاموش نگاہی ، کہ ہوا جس سے خجل شور اس ضبط پہ بے تاب ہے شام ستم و جور
مژگاں کا علم عالم ھو میں جو نگوں ہے
اک محشر تدبیر سے پہلے کا سکوں ہے

ماحول میں اک حلقۂ انوار بنائے (۲۴) اک وادیٔ اقدس کا نظارا ہے دکھائے
زیتوں کی طرح سبز قبا ہے نظر آئے زیتوں جو کہ مژگان کی شاخوں کو جھکائے
اس شام کی نخوت کو تجلی سے جکڑ لے
نزدیک ہے زیتون یہ شعلوں کو پکڑ لے

باطن کا سکوت ازلی صبر کا قائل (۲۵) ظاہر کی الگ ریخت الگ شور و مسائل
ملک و ملکوت آن میں وحدت پہ ہیں مائل دونوں میں فقط برزخ مژگان ہے حائل
گو مقتل تغییر ہے پلکوں کی ترائی
خمیازۂ تقدیر ہے پلکوں کی ترائی

رن حق کو ہے محرومیٔ نصرت کا تماشا (۲۶) ہے پیش نظر سازش ظلمت کا تماشا
اب عرصۂ پیکار ہے نخوت کا تماشا کیا رہ گیا میدان میں ؟ وحشت کا تماشا!
پاک ایسے تماشے سے ہے سالار مہذب
ہے حلقۂ عصمت میں علمدار مہذب

اس عرصۂ امکاں کے نخیلہ پہ نہیں ختم (۲۷) یہ معرکہ اس آں کے نخیلہ پہ نہیں ختم
اک قلب کے اک جاں کے نخیلہ پہ نہیں ختم تنہائیِ یزداں کے نخیلہ پہ نہیں ختم
لہرانا ہے یہ پرچم اثبات ابد تک
اس شام کی رسوا رہے گی رات ابد تک

مژگاں اٹھیں مقتل ہوا اک فجر سے معمور (۲۸) تا کرب و بلا پھیل گیا حلقۂ پُر نور
اس نور کے حلقے سے بہت دور بہت دور کاغذ کی پنہ تھی لیے تاریکیِ مغرور
پرچم پہ نظر کی تو فلک دوش علم تھا
بالائے علم خوں کے ہالے میں قلم تھا

اب صبر سے تدبیر کا لشکر ہے بنانا (۲۹) اب اپنی خموشی سے ہے طوفان اٹھانا
اب نقش ہمم رن کے علاوہ ہے بٹھانا اب وقت کو تحریر کی صورت ہے بڑھانا
اب رزم کو مقتل کا نیا رنگ ہے در پیش
اب خامۂ خوں ریز سے اک جنگ ہے درپیش

قرطاس ہو بے واقعہ مقتل پہ اگر دال (۳۰) اس پر ہو رقم واقعہ اک رن کی طرح لال
سازش کی سیاہی ہو اسی سرخی سے بے حال تحریر ہو آزاد سر عرصۂ اقوال
ہے فتح اسی ہاتھ پہ رن ہو کہ حرم ہو
جائز ہے اسی کو وہ علم ہو کہ قلم ہو

www.emarsiya.com

دنیا کی سب سے بڑی ڈیجیٹل مرثیہ لائبریری جہاں آپ انیسؔ و دبیرؔ کے مکمل مطبوعہ مراثی کے علاوہ ۳۲۰ مرثیہ نگاروں کے ۴۰۰۰ سے زائد مراثی حاصل کر سکتے ہیں۔ سوز خواں خواتین و حضرات کے لیے بستۂ سوز خوانی کا بھی انتظام ہے۔ اگر آپ مزید مراثی اس ویب سائٹ پر شامل کرنا چاہیں تو اس ای میل پر رابطہ کریں۔ faroghemarsiya@gmail.com

صنفِ سلام کو انیسؔ کا تحفہ

علی عرفانؔ

مری قدر کر اے زمینِ سخن
تجھے بات میں آسماں کر دیا

انیسؔ نے جن زمین ہائے سخن کو آسمان کیا ہے وہ صرف مرثیوں تک محدود نہیں بلکہ ان میں سلام بھی شامل ہیں مگر یہ حقیقت ہے کہ مرثیوں کی بنسبت انیسؔ کے سلاموں پر خاطر خواہ کام نہیں ہوا ہے۔

انیسؔ سے پہلے جن شعرا نے سلام کہے ہیں۔ اب وہ چاہے میرؔ ہوں، سوداؔ ہوں، دلگیرؔ ہوں، ضمیرؔ ہوں، فصیحؔ ہوں، خلیقؔ ہوں یا کوئی اور ان سب کے سلاموں میں صرف دو موضوعات ملتے ہیں: فضائلِ آلِ رسولؐ یا مصائبِ آلِ رسولؐ پھر انیسؔ آئے تو انہوں نے اس چمن میں کچھ اور بھی پھول کھلا دیئے۔

پڑھیں درود نہ کیوں دیکھ کر حسینوں کو
خیالِ صنعتِ صانع ہے پاک بینوں کو

یا پھر:

جو سخی ہیں مالِ دنیا سے ہیں خالی ان کے ہاتھ
اہلِ دولت جو ہیں وہ دستِ کرم رکھتے نہیں

یا پھر:

کارِ ذاتی سے ہیں عاجز کارسازانِ جہاں
گرد اپنے منھ کی پانی آپ دھو سکتا نہیں

الغرض کچھ ایسے موضوعات جو کبھی غزل کا حصّہ ہوتے تھے، انیسؔ انہیں سلاموں میں لے آئے اور کچھ اس سلیقے سے لائے کہ سلام کے لیے نئے ہونے کے باوجود بے جوڑ نہیں لگتے۔ اس طرح انیسؔ نے اپنے بعد آنے والے سلام گویوں کے لیے اس صنف میں نئی راہیں کھول دیں جن کا فائدہ آج کے شعرا بھی اٹھا رہے ہیں اور کل کے شعرا بھی اٹھائیں گے۔

ایک سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ انیسؔ کے سلاموں میں نئے مضامین کی یہ آمد و رفت شروع کیسے ہوئی؟

اس سوال کا ایک جواب تو سادہ ہے۔ انیسؔ کی اپنی ذہنی اُپج ایک اور جواب ہے جس کے پیچھے ایک کہانی ہے۔ پروفیسر نیرؔ مسعود انیسؔ کی سوانح میں انیسؔ کے ابتدائی دور کے حوالے سے ایک واقعہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ خلیقؔ اور انیسؔ کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں کسی مغنیہ کی آواز سنی جو ایک غزل گا رہی تھی۔ غزل اچھی تھی تو خلیقؔ رک کے سننے لگے۔ مغنیہ مقطع پر پہنچی تو خلیقؔ چونک گئے۔ بیٹے سے پوچھا کہ کیا یہ غزل ان کی ہے؟ بیٹے نے اقرار کیا تو باپ نے کہا کہ بس اب غزل کو سلام کرو۔ یہ عین ممکن ہے کہ سعادت مند بیٹے نے باپ کے حکم کو ہر جہت سے پورا کیا۔ محاورتی جہت سے انیسؔ نے یہ کیا کہ غزلیں کہنی بند کر دیں اور لغوی جہت سے یہ کیا کہ اپنی غزلوں کے منتخب اشعار

سلاموں میں شامل کر لیے اور نتیجتاً سلام کے دامن کو وسیع کر دیا۔

انیسؔ کے سلاموں میں مدح اور مصائب سے ہٹ کر کئی مضامین ملتے ہیں جن کی چند مثالیں اس مقالے کی ابتدا میں پیش کی جا چکی ہیں مگر جو مضامین مکرّر ملتے ہیں ان میں دو موضوعات سب سے نمایاں ہیں اور وہ ہیں۔

(۱) بے ثباتیِ دنیا، اور (۲) عزتِ نفس

بے ثباتیِ دنیا کے حوالے سے چند مثالیں پیش ہیں:

عالم پیری میں آئے کون پاس
اے عصا گرتی ہوئی دیوار ہوں

کسی کی ایک طرح سے بسر ہوئی نہ انیسؔ
عروجِ مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

نبود و بودِ بشر کیا محیطِ عالم میں
ہوا کا جب کوئی جھونکا چلا حباب نہ تھا

نہ جانے برق کی چشمک تھی یا شرر کی لپک
ذرا جو آنکھ جھپک کر کھلی شباب نہ تھا

مقام یوں ہوا اس کارگاہِ دنیا میں
کہ جیسے دن کو مسافر سرا میں آ کے چلے

انیسؔ دم کا بھروسہ نہیں ٹھہر جاؤ
چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے

ہاتھ سے جاتا رہا نقدِ حیات
جان لے کر آئے بے جاں ہوگئے

لحد میں سوتے ہیں چھوڑا ہے شہ نشینوں کو
قضا کہاں سے کہاں لے گئی مکینوں کو

یہ جھرّیاں نہیں ہاتھوں پہ ضعفِ پیری ہے
چنا ہے جامۂ اصلی کی آستینوں کو

شباب تھا کہ دمِ واپسیں کی آمد و شد
یہ مضطرب ادھر آیا ادھر روانہ ہوا

گھر خراب آبادِ ہستی میں بناتا ہے عبث
مر کے کیا لے جائے گا ناداں مکاں بالائے سر

قریں سر کے ہے آفتابِ قیامت
لحد پر عبث سائباں کھینچتے ہیں
دیکھنا کل ٹھوکریں کھاتے پھریں گے ان کے سر
آج نخوت سے زمیں پر جو قدم رکھتے ہیں

اب ''عزتِ نفس'' کے موضوع کی چند مثالیں دیکھی جائیں:

در پہ شاہوں کے نہیں جاتے فقیر اللہ کے
سر جہاں رکھتے ہیں سب ہم واں قدم رکھتے ہیں

ہر کس و ناکس سے جھکنے کا نہیں
ہمدمو میں تیغِ جوہر دار ہوں
اے زمیں مجھ کو حقارت سے نہ دیکھ
آسماں کا طرّۂ دستار ہوں

اہلِ دولت سے نہیں مطلب انیسؔ
یاں توکّل ہے سدا اللہ پر

ہمیں تو دیتا ہے رزاق بغیر منّتِ خلق
وہی سوال کریں جو خدا نہیں رکھتے

کریم جو تجھے دنیا ہو بے طلب دے دے
فقیر ہوں پہ نہیں عادتِ سوال مجھے

نہ پھیلائیو ہاتھ ہر گز انیسؔ
فقیری میں بھی دل تونگر رہے

بہت ہم کو پیسا ہے اک دن تجھے بھی
شکنجے میں اے آسماں کھینچتے ہیں

سلامِ انیسؔ کے حوالے سے اپنے اس مختصر مضمون کا اختتام اس اعترافِ حقیقت سے کرتا ہوں کہ:

تمھاری نواسنجیوں نے انیسؔ
ہر اک زاغ کو خوش بیاں کر دیا

کربلا کے تناظر میں معرکۂ وجود کا شاعر۔ سیّد اقبال حیدر

پروفیسر ناشرؔ نقوی

مشرق کے شعروادب کو ہمارے جن اہلِ قلم نے اردو کے حوالے سے مغرب کی دنیا میں اقبال بخشا ہے ان میں ایک نمایاں نام سید اقبال حیدر کا بھی ہے۔ جو بیک وقت ایک نامور ادیب، شاعر اور صحافی ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی ذات میں اردو زبان و ادب کی ایک انجمن ہیں۔ موصوف ابھی تک تو گیارہ شعری مجموعوں کے خالق ہیں۔ جن میں چار غزل اور نظم کے مجموعے 'امیدِ سحر'، 'میرے دل کے آس پاس' 'بے آب زمینیں' اور 'آسماں بھی ہے' ہیں چار نعت و منقبت کے مجموعے 'الہام'، 'شبستانِ ولا'، 'لُولُو و مرجان' اور 'گلستانِ کربلا' ہیں اور تین مرثیوں کے مجموعے 'معرکہ حق و باطل'، 'اسلام اور حکومت' اور 'علم و ذوالفقار' ہیں۔ میں نے اپنے مطالعے کی بنیاد پر جو اخذ کیا ہے وہ یہ ہے ان کی جملہ شاعری کا خمیر کربلا کے تاریخی انقلاب سے اٹھا ہے۔ کربِ ہجرت ہو یا ضربِ جرات، سارے فکری دریا بحرِ انقلابِ کربلا سے ہی جا کر ملتے ہیں۔

سید اقبال حیدر سے میری پہلی ملاقات پندرہ برس پہلے دہلی کے غالب انسٹی ٹیوٹ میں منعقدہ ایک عالمی اردو کانفرنس کے دوران ہوئی تھی جو حکومتِ ہند کے ادارے نیشنل کونسل فار پروموشن آف اردو کی جانب سے ہوئی تھی۔ اس پہلی ہی ملاقات نے مجھے اقبال حیدر کا ایسا گرویدہ بنا دیا تھا۔ جس کے بعد کبھی یہ محسوس ہی نہیں ہوا کہ یہ حضرت کسی دوسرے دیش کے واسی ہیں۔ غالباً اس کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی تھی کہ مرثیے سے متعلق سیمینار کے اصل ہیروز کربلا کے جاں نثاروں کے مشترکہ ذکر اور عشق نے ہم دونوں کو ایک دوسرے سے ملا دیا تھا۔ بظاہر یہ ملاقات ریگولر Face to Face بالمشافہ تو نہ بن سکی لیکن الحمدللہ سوشل میڈیا کے Face Book اور دوسرے ذرائع کی وساطت سے ہنوز قائم و دائم ہے۔ رابطے نے جب سفر آگے بڑھایا تو فراق کے شعر:

ہو سکے تو قریب اتنے آ درمیاں سے گُزر نہ پائے ہَوا

نے بڑھ کر میرے لیے نئی تشریح لکھ دی۔ اقبال حیدر کے بارے میں تھوڑا سا پڑھا تو معلوم ہوا کہ موصوف کے باپ دادا کا ادبی اور سماجی رشتہ میرے وطنِ عزیز امروہہ سے بھی رہا ہے۔ تقسیمِ ملک کی آندھی نے ان کے والد اور بچپن دونوں کو پاکستانی بنا دیا تھا۔ موصوف کا حالِ دل پڑھا تو میرے اندر مزید اپنائیت کا جذبہ پیدا ہونا فطری بن گیا۔

پہلی ملاقات کے تقریباً دس بارہ سال بعد موصوف سے بالمشافہ ملاقاتیں کچھ کچھ گھنٹوں کے لئے نجف اور کربلا کی زیارت گاہوں میں منعقدہ عالمی منقبتی مشاعروں میں ہوئیں۔ باوجود اس کے کہ سید اقبال حیدر کے تپاک میں کوئی کمی نہیں تھی لیکن ایک دوسرے کو سمجھنے اور پرکھنے میں جو بات بیباک ملاقاتوں کی ہوتی ہے وہ نہ ان کو حاصل ہو سکی اور نہ مجھے۔ میں نے انھیں جتنا دیکھا اور سنا اُس کی بنیاد پر اُن کے لیے میرا کوئی تبصرہ اہمیت کا حامل ہو بھی نہیں ہو سکتا۔

اچانک ہم دونوں کے مشترکہ دوست پروفیسر خواجہ اکرام الدین صاحب نے مجھے سید اقبال حیدر کے ایک شعری مجموعے 'آسماں بھی ہے' کی سوفٹ کاپی یہ کہہ کر بھیجی کہ اس پر کوئی رائے زنی کروں تو میں ہِل گیا، اِس لیے کہ لاکھ دوستی ہو لیکن اب ڈھلتی عمر میں کم بینائی کے ساتھ تیز روشنی کی اسکرین پر کچھ لکھنا اور پڑھنا خود میں ایک امتحان ہے۔ لیکن یقین جانیئے کہ سید اقبال حیدر کی نظم 'مری سنو کہ مرے پاس کچھ ہے کہنے کو' اور 'جمود' نے میرے پورے وجود کو اچانک مجبور کر دیا کہ کچھ تو حقِ سادات ادا کیا جائے۔

غبار ، دھند ، کثافت ، دھواں دھواں سورج اندھیری رات ، خموشی ، بجھے بجھے تارے
کدورتوں سے اٹے دِل ، نمائشی چہرے مصیبتوں میں گھِری روح ، کرب کے مارے
وہ قہقہے کی فضا جگمگاتی جاتی ہے
وہ سسکیوں کی ہوا تھرتھرائی جاتی ہے

'جمود' نظم کا یہ لہجہ اور کرب ایسا ہے کہ کوئی بھی حساس لکھنے والا اس پر بغیر کچھ کہے آگے بڑھنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اس نظم نے مجھے صدیوں میں بکھیر دیا، ظاہر ہے کہ سید اقبال حیدر کا تعلق خانوادۂ سادات سے ہے۔ ہجرت کے اس کربِ ذات کی کڑیاں ان کے خاندان میں صدیوں سے جڑی ہوئی ہیں۔ وہ ہجرت جو مکے اور مدینے سے شروع ہوئی اور کربلا و شام سے گزرتی ہوئی، نظم کے شاعر کے اجداد کی پاکستان تک ہجرت تک پہنچتی ہے۔ غبار، دھند، کثافت، اندھیری رات، خموشی یہ سب لفظیات اُسی ہجرت کا استعارہ ہیں۔ اقبال حیدر خود پاکستان سے مغرب جا کر بس گئے انھوں نے ان استعاروں کو جیا ہے۔ میں اقبال حیدر کے شعری مجموعے 'آسماں بھی ہے' سے سفر کرتے ہوئے آگے بڑھا تو ہجرت کا کربِ ذات مزید اُن کے اشعار میں جھلکتا ہوا نظر آیا۔

سر میں سودا ہے مگر طورِ جنوں یاد نہیں
ہاتھ میں زور تو ہے تیشۂ فرہاد نہیں

ہر اک حقیقت فقط نشاں ہے
کہ اس سے آگے بھی اک جہاں ہے

روز کیوں ہے نئے جہاں کی تلاش
آب و دانہ کہاں نہیں ہوتا

وصل کی ساعتوں کو کیا معلوم
کتنے امکان قربتوں میں ہیں

اقبال حیدر کی مجموعی شاعری ان کی قلندرانہ بے نیازی کی غماز ہے۔ غزل کے ذریعے انھوں نے اپنی خود اعتمادی کو منفرد زبان دی ہے اس غزل میں نہ گِلہ ہے نہ شکوہ۔ یہ کربِ ہجرت کا منظر نامہ ہے۔ اس میں ہمتِ مادری اور ممتا کی پاکیزگی کے ساتھ دعا شامل ہے جس نے کامیاب زندگی کی انھیں بشارت دی ہے مجموعے کی ایک نظم 'ماں' کے یہ لفظیات اس سچائی کا اشاریہ ہیں:

حریمِ حرمتِ معنی خدائے جنبشِ لب ہر ایک حرف میں شامل دعا دعا جیسی
نگاہ جیسے ضمانت ہو اک تحفظ کی سروں پہ سایا کئے آیۂ کِسا جیسی

اپنی حدیثِ دل کو اپنے عقیدے کی پاک 'حدیثِ کساء' اور 'معرکۂ کربلا' سے وابستہ رکھتے ہوئے سید اقبال حیدر نے غزل کو بھی نئی جہانِ معنی دینے کی ارادتاً کامیاب کوشش کی ہے جس کا ثبوت ان کے ایسے اشعار سے دیا جاسکتا ہے:

مری زبان نے پایا ہے آبلوں کا مزاج جو بھول کر بھی کبھی نام لے لیا تیرا
جو ابھی رکھے ہے زندہ لہو کی قیمت کو ہے معرکوں میں فقط ایک معرکہ میرا
یوں رزم و آب و عطش میں شکست آب کو دی وفا کدوں میں وفا نام پڑ گیا میرا
میں اپنا خون دیے جارہا ہوں دنیا کو اب اس کے بعد شفق کو ہے سرخرو ہونا

ایک حساس انسان اپنے وجود کے اظہار کو بیان دینے کے لئے جو معقول ذریعہ تلاش کرتا ہے وہ اس کا تخلیقی ادب ہی ہوتا ہے۔ شاعری اس ضمن میں سب سے موثر آلۂ اظہار ہے۔ اس اظہار پر مزید صیقل اس کا وسیع مطالعہ کرتا ہے سید اقبال حیدر کا وصفِ خاص یہ ہے کہ انھوں نے علامہ اقبال اور جوش کی فلسفیانہ اور انقلابی شاعری کا عمیق مطالعہ بھی کیا اور مغرب میں رہ کر مغربی شعراء کو بھی پڑھا ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں جوش و ولولے کی سی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ موصوف نے اپنی آپ بیتی کو جگ بیتی بنانے میں اپنے جیسے دوسرے ہجرت زدوں کو بھی شامل کیا ہے۔ اقبال حیدر نے شاعری ہی نہیں کی بلکہ دردِ مشترک کو بانٹا ہے۔ وہ اگر یہ نہ کرتے تو شاید خود سے انصاف نہ ہوتا۔ ان کا تخلیقی عمل ان کے شاعر ہونے کا ایک فریضۂ منصبی ہے۔

زندگی کا پیش و پس کچھ بھی نہیں زندگی ہے زندگی کا راز کیا
ہمیشگی کو عجب ربط زندگی سے ہے عدم وجود نہ بنتا تو اور کیا کرتا

سید اقبال حیدر کا مجموعی تخلیقی سفر، انقلابِ کربلا کے اطراف میں گھومتا ہے اس کا سبب ان کا راسخ عقیدہ بھی ہے اور مطمعِ نظر بھی۔ خود ان کی ایک نظم اس امر کا اشارہ کرتی ہے جس کا عنوان ہے 'کربلا حُرمت و تکریمِ بشر کی معراج'۔ ان کے شعری اظہار کے پسِ پُشت شاعرِ انقلاب جوش ملیح آبادی کی آواز بھی ہے اور مرثیے کی گھن گرج بھی۔ غزل اور نظم کے ساتھ ساتھ اقبال حیدر کے جدید مراثی بھی توجہ طلب ہیں۔ موصوف کے چار مرثیے سامنے آئے جن کے عنوان ہیں 'معرکہ حق و باطل'، 'اسلام اور حکومت'، 'علَم اور ذوالفقار'۔ ان عنوانات سے ہی اندازہ ہوجاتا ہے کہ کربلا کا پیغامِ انسانیت اور پیغامِ انقلاب سید اقبال حیدر کی فکر کا بنیادی محور ہے۔ اقبال اپنے مراثی میں انیس و دبیر جیسے اساتذہ کی طرح زبان و بیان یا فصاحت و بلاغت کے پیچھے چل کر کسی سندِ داد کے خواہاں نہیں ہیں بلکہ سماج کے عصری درد و غم کو بانٹ کر اس کا مداوا چاہتے ہیں۔ اس مداوے کے لیے مولا علی کا تدبر اور ان کی شمشیر کی ضرورت کو یوں اجاگر کرتے ہیں:

مٹ جائے ظلم دورِ عدالت شروع ہو
اب جلد ذوالفقار کا سورج طلوع ہو

اردو مرثیے سے متعلق ہمارے ابتدائی ناقدین نے رثا کی رعایت سے مرثیے کی یہ تعریف رائج کردی 'کسی کی موت پر جی کڑھنا اور

مرنے والے کے محاسن بیان کر کے اس کے نام کو زندہ کرنا ہوتا ہے' جبکہ یہ بیان میرے نزدیک بالکل غلط ہے۔ میں نے بطور مرثیہ نگار اور مرثیہ شناس اس تعریف کو عام کیا کہ 'کسی برگزیدہ شخصیت کے وصال کے بعد اُس کے صالح اور قابلِ تقلید کردار اور پیغام کی منظوم تشہیر اور تبلیغ کو مرثیہ کہتے ہیں'۔ مجھے خوشی ہے اس تعریف پر سید اقبال حیدر کے مراثی پورے اترتے ہیں۔ مرثیہ سوگ سے زیادہ بیداری کی تحریک دیتا ہے۔ جوشؔ ملیح آبادی کے بقول جس نے حقیقی شہادت کا مفہوم نہیں سمجھا وہ مرثیے کو کبھی نہیں سمجھ سکتا۔ اس پرکھ کے لیے حسینؑ کو زندگی اور زندگی کو حسینؑ بننا پڑے گا۔ سید اقبال حیدر نے 'ذوالفقار کا سورج طلوع ہو' کہہ کر اپنے جو چاروں مرثیے کہے ہیں وہ اسی حقیقت کے غماز ہیں۔ اقبال حیدر نے پہلا مرثیہ 'معرکہ حق و باطل' کہا جو ۸۳ بند پر مشتمل ہے۔ اس مرثیے میں آدم کو حق اور شیطان کو باطل کا استعارہ بناتے ہوئے آغازِ آدمیت کو شاعر نے پورے جوش اور ہوش سے تخلیق کیا ہے۔

جس دم ہوئی جہاں میں ہدایت کی ابتدا — آدم کے سر پہ تاجِ خلافت ، رکھا گیا
سجدے میں انکے جھک گئے سارے ملائکا — اس واسطے کہ حکمِ خدائے قدیر تھا
سجدہ نہیں کیا ، نظر انداز کردیا
ابلیس نے لڑائی کا آغاز کردیا

بیانیہ شاعری کے اصولوں کو برتتے ہوئے اس مرثیے میں مرثیہ نگار نے 'خدا' کے بعد تسلسل قائم رکھتے ہوئے روشنی کی علامت بنا کر نعتِ رسولؐ کا آہنگ دے کر عدل و انصاف کی پاکیزگی کو قلم بند کیا ہے:

دنیا میں جہل و شر کا اندھیرا تھا چار سُو — ہر سمت ظلم و جور کا ڈیرا تھا کُو بہ کُو
دختر کشی کی رسم تھا ، ہر گھر لہُو لہُو — انسانیت ذلیل تھی ، شیطان سُرخرُو
عدلِ رسولؐ نے ، کمرِ ظلم توڑ دی
باطل کی مصطفیٰؐ نے کلائی مروڑ دی

۲۰۰۹ء میں کہے گئے دوسرے مرثیے کا عنوان سید اقبال حیدر نے 'اسلام اور حکومت' رکھا جس میں حکومت کی بے راہ روی کو ہدف بنا گیا ہے۔ شاعر کے نزدیک فساد کو جہاد کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ یہ ایک فنی اور فکری مرثیہ ہے۔ اپنی بات کو کھل کر اور ببانگِ دُہل کہنا ایک شاعرِ کربلا کی پہلی ذمہ داری ہے جسے اقبال حیدر نے کامیابی سے ادا کیا ہے۔

نام ہے رکھا گیا اس ستمِ نو کا جہاد — در حقیقت یہ ہے اسلام میں بنیادِ فساد
مرضیٔ حق ہے کہ دنیا رہے شاد و آباد — نہ کوئی ظلم سے روئے نہ بپا ہو فریاد
فکرِ اسلام یہ ہے فرق نہ مابین رہے
شاد انسان رہے ، امن رہے چین رہے

در حقیقت یہ ہے اربابِ حکومت کا جہاد — مال و دولت کیلئے ، صاحبِ ثروت کا جہاد
مُلک و دولت کے لئے فکر ، غنیمت کا جہاد — دشمنِ عزت و قرآن ورسالت کا جہاد
کربلا میں بھی یہ سب اہلِ فساد آئے تھے
کعبہ ڈھانے کو بھی یہ بہرِ جہاد آئے تھے

اقبال حیدر بھلے ہی پچھلی آدھی صدی سے مغربی دنیا کے فرنکفرٹ جرمنی میں رہتے ہوں لیکن ان کی تہذیبی اور ادبی قدریں مشرق کے برِ صغیر سے جڑی ہوئی ہیں۔ان کی سوچ اور لوچ کا پلڑا اپنی زمین کی طرف ہی جھکتا ہے۔ان کو ہر سال نیا حوصلہ لینے کے لیے مکہ، مدینہ، نجف اور کربلا کے ممدوحین کے روضوں کی فضاؤں میں جانا ہوتا ہے۔گذشتہ برس میں (ناشرنقوی) بھی ان کے ساتھ کربلا اور نجف میں تھا ہم دونوں کے مشترکہ پاکستانی دوست اور مرثیہ نگار ڈاکٹر ندیم نقوی بھی ساتھ تھے۔ہماری گفتگو کا موضوع نئے مرثیے کا فروغ رہا۔اقبال حیدر نے 'علَم' کے عنوان سے جو مرثیہ کہا ہے اس کے ہم نے چند بند بھی سنے تھے۔

علَم ہمت اور جوان مردی کا ایک ایسا پرچم ہوتا ہے جو لہلہا کر دل و دماغ میں حوصلے کی جوت جگا دیتا ہے۔تاریخِ اسلام میں علَم اور علمدار کی بڑی اہمیت ہے۔رسولِ مقبولؐ سے مولا علی تک، مولا علی سے امام حسینؑ اور مولا عباسؑ تک علَم کی عظمت پر بہت سی شاعری ہوئی ہے۔اقبال حیدر نے علم کے حوالے سے تاریخ اور عظمت کو نمایاں انداز سے نظم کیا ہے۔اس مرثیے کی اشاعت غالباً ۲۰۱۴ میں ہوئی تھی۔اس مرثیے کی روانی ان دو بندوں میں ملاحظہ ہو:

دینِ حق لشکرِ اسلام کی شوکت ہے علَم — جنگ چھڑ جائے تو مذہب کی ضرورت ہے علَم
اہلِ ایماں کے لئے سایۂ رحمت ہے علَم — دمِ پیکار ، مسلمانوں کی عزت ہے علَم
بدر میں مرسلِ اعظمؐ نے سجایا یہ علَم
للہ الحمد کے حیدرؑ نے اٹھایا یہ علَم

یہ علم ایک سے اک شیرِ غضنفر کو مِلا — دستِ احمد سے مِلا جب بھی تو حیدرؑ کو مِلا
ایک موقع تھا کہ مولا کے برادر کو مِلا — جنگِ مونہ میں علم حضرتِ جعفر کو مِلا
اس طرح معرکے میں بر سرِ پیکار ہوئے
ہاتھ جب کٹ گئے تو جعفرِ طیار ہوئے

صبحِ عاشور زمانے میں نمودار ہوئی — حرؑ کی سوئی ہوئی تقدیر بھی بیدار ہوئی
فوجِ شر ، لڑنے کو شبیرؑ سے تیار ہوئی — شاہؑ کی فوج بھی آمادۂ پیکار ہوئی
اس طرف لشکرِ اعدا میں دُہل بجنے لگے
اس طرف خیمۂ عصمت میں علم سجنے لگے

سید اقبال حیدر نے اس مرثیے میں اس ادبی باریکی کا بھی خیال رکھا ہے کہ معرکۂ کربلا میں علم دار کا منصب امام حسین نے اپنے جاں نثار بھائی حضرت عباس کو ہی دیا تھا۔چنانچہ شاعر نے اس مرثیے کا ممدوح حضرت عباسِ علمدار کو ہی منتخب کیا ہے۔دوسری احتیاط یہ بھی ہے کہ سراپا، مرثیہ نگاری کا ایک اہم جزو ہے۔اقبال حیدر نے انیسؔ و دبیرؔ کی روایتِ مرثیہ کے پیشِ نظر ممدوح کی سراپا نگاری کا بھی خوبصورت انداز اپنایا ہے۔

وہ چمکتا ہوا چہرہ وہ نکلتا ہوا قد — گیسو ایسے کہ نہیں حُسن کی جن کے کوئی حد
ہاتھ وہ ، دین کی کرتے ہوں جو ہر وقت مدد — تیور ایسے کہ تھے جس طرح شہِ بدر و احد
پورا لشکر بھی اگر آئے تو یہ غالب ہے
یہ تمنائے علی ابنِ ابی طالب ہے

سید اقبال حیدر کا نظم کیا گیا چوتھا مرثیہ ہے 'ذوالفقار'۔ آیئے اس ذوالفقار کا تعارف خود شاعر سے ہی سنیں:

خندق میں چمکی بعدِ احد پھر یہ ذوالفقار آیا تھا امر دیو صفت ، بہرِ کارزار
نکلا نہ کوئی رن میں بجز شیرِ کردگار تاخیر کچھ ہوئی نہ ، جھپٹ کر کیا شکار
تھا کُلِ کفُر ، کُفر کا پانسہ پلٹ گیا
ایمانِ کُل کے ہاتھ سے سر ، اُسکا کٹ گیا

مذکورہ ایک بند یا چھ مصرعوں میں مولا علیؑ جیسے بہادر اور فاتح کی تلوار اور تاریخِ اسلام میں اس 'ذوالفقار کی کارفرمائیوں کو سامنے رکھ کر شاعر نے اپنے عہد کو درپیش مسائل سے لڑنے کے لئے اس مرثیے سے تعمیری تحریکِ عمل دی ہے۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو سید اقبال حیدر کی مہجری شاعری، کربلائی فضا کو سمیٹے ہوئے ایک پیغام ہے۔ بھلے ہی شاعر روزگاری تگ و دو میں اپنی فکر کے پھل پھول مغرب میں پھیلا رہا ہو لیکن ان پھولوں کی شاخیں پاکستان میں اور جڑیں ہندستان میں ہیں۔ کاش میرے پاس سید اقبال حیدر کی شاعری کے کتابی صورت میں ہارڈ مجموعے ہوتے تو کچھ اور لکھ سکتا۔ یہاں اسی پر اکتفا کروں گا کہ سوفٹ مجموعوں کی کاپیوں تک تو پہنچ ہی گیا۔ سید اقبال حیدر کی رگ رگ میں معرکۂ کربلا معجزن ہے اسی زاویئے سے میں نے سید اقبال حیدر کے شعری ہوش اور جوش کا اجمالی جائزہ لیا ہے۔ کربلا حق گوئی اور حق پرستی کا کل بھی ایک چراغ تھی اور آئندہ بھی چراغ بنی رہے گی۔ اس کے زیرِ سایہ تخلیق کی گئی شاعری کو بھی اسی طرح عروج ملتا رہے گا جس طرح خود کربلا اور کربلا والوں کے نام اور کام کا عروج ہے۔ آخر میں سید اقبال حیدر کے ہی اس شعر پر اپنی بات کو روکتا ہوں:

فراق و وصل ، دونوں متصل ہیں
فراق و وصل کے کچھ درمیاں نہیں

❁❁❁❁

دبیرؔ کے مرثیے
(جلد نہم)
زیرِ طبع
ترتیب وتدوین
اصغر مہدی اشعر

دبیرؔ کے مرثیے
(جلد ہشتم)
زیرِ طبع
ترتیب وتدوین
اصغر مہدی اشعر

دبیرؔ کے مرثیے
(جلد ہفتم)
شائع ہوگئی ہے
ترتیب وتدوین
اصغر مہدی اشعر

غیر مطبوعہ مرثیہ۔علمدارِ وفا

ڈاکٹر وجیہ بخاری (آسٹریلیا)

صفدر اسد اللہ ہیں تو حیدر اسد اللہ فیضانِ امامت کا ہیں مصدر اسد اللہ
حکمت کا بفرمانِ نبیؐ در اسد اللہ (۱) کیا آپ نے پایا ہے مقدر اسد اللہ!
جس جس کے رسولِؐ عربی ملجا و ماوا
اس اس کے علیؑ شیرِ خدا والی و مولا

مولا پہ ہوئے فضل کا شاہد تھا زمانہ اک دھوم زمیں پر تھی فلک پر تھا فسانہ
مطلوبِ علیؑ تھا مگر اک فضلِ یگانہ (۲) دن رات دعا تھی کہ عطا ہو وہ خزانہ
اک نورِ وفا پھر بشری شکل میں آیا
اک فضلِ عُلیٰ ذاتِ ابوالفضلؑ میں آیا

شہرت تھی عرب میں کہ یہ ہاشمؑ کا قمر ہیں زہراؑ کی سیہ رات میں امیّدِ سحر ہیں
والد اسد اللہ ہیں تو یہ شیر پسر ہیں (۳) حسنینؑ کی شمشیر ہیں زینبؑ کی سپر ہیں
صورت میں، شجاعت میں، بلاغت میں علیؑ تھے
اک نفسِ زکیّہ تھے ، ولی ابنِ ولی تھے

کہلاتی جو بیٹوں کی تھی ماں اُس نے سکھایا شیریں ہے ولا، ذائقہ طفلی میں چکھایا
زہراؑ سے کیا عہد وفا کر کے دکھایا (۴) شاکر تھیں سدا گرچہ بڑا زخم تھا کھایا
اے اُمِّ بنین آپ کو زہراؑ نے دعا دی
اے امِّ بنین آپ ہیں بخشش کی مُنادی

غازی میں اطاعت تھی حسینؑ ابنِ علیؑ کی مشکل میں حفاظت تھی حسینؑ ابنِ علیؑ کی
ہر آن حمایت تھی حسینؑ ابنِ علیؑ کی (۵) رگ رگ میں محبت تھی حسینؑ ابنِ علیؑ کی
تاباں تھا قمر مہرِ حسینؑ کی ضیا سے
روشن تھی نظر مہرِ حسینؑ کی ضیا سے

شبیرؑ ہیں افلاک تو عباسؑ سحر ہیں شبیرؑ سمندر ہیں تو عباسؑ گہر ہیں
شبیرؑ ہیں مصباح تو عباسؑ شرر ہیں (۶) شبیرؑ جو رستہ ہیں تو عباسؑ سفر ہیں
عباسؑ کا شبیرؑ سے وہ ربط بندھا ہے
جو ربط علیؑ اور محمدؐ میں رہا ہے

بے لوث ، وفا کیش ، معاون ہیں بہت کم بینا نہیں ملتا ہے کوئی کُور ہے عالم
غم خوار جو لگتا ہے سمجھتا ہی نہیں غم (۷) یہ حرص چمکتی ہے نہیں دیدۂ پُر نم
اس قحطِ رجالی میں علمدارِ وفا تھا
طوفانِ بلا خیز میں جو ساتھ کھڑا تھا

ہر جنگ سے اکبر ہے جو اپنے ہو مقابل اشجع ہے وہی خود پہ جسے زور ہو حاصل
مٹھی میں دلاور کی تھا یوں زیر کیا دل (۸) رستے میں انا فرض کے ہونے نہ دی حائل
دل بس میں رہا اذنِ وَغا جب نہ ملا تھا
یہ جنگ بڑی جنگ تھی وہ خود سے لڑا تھا

تسلیم تھا زہراؑ کے پسر راہ نما ہیں معنی نہیں رکھتے جو کوئی اِن کے سوا ہیں
لب پر تھا کہ میرے تو حسینؑ ارض و سما ہیں (۹) ہدیہ ہیں مرے ذہن و بدن کے جو تُوئی ہیں
اوندھا تھا گرا مصلحت و خوف کا ہر بُت
آساں نہیں اس طور ارادے پہ تسلط!

کچھ لوگ کہیں گے کہ یوں جینا نہیں آساں جینا وہ بھلا کیا ہو جہاں بس میں نہیں جاں
یہ کیا کہ کسی اور کی مرضی میں ہو انساں (۱۰) اک جنبشِ انگشت بنی ہم پہ ہو نگراں
آزاد رہیں گے کہ ہم آزاد تھے آئے
رستہ وہ چلیں گے جو ہمیں نفس دکھائے

لازم نہیں ہم پر کہ کسی بات کو مانیں؟ اپنے سوا ہم اور کسی ذات کو مانیں
کیوں تارکِ جدّت ہوں روایات کو مانیں؟ (۱۱) کیا عیب اگر نفس کی شہوات کو مانیں؟
جینے میں مزہ ہو تو ہے کیا حرج تمھارا
صد حیف! جو یہ وقت خوشی میں نہ گزارا

منطق تھی یہ غازی کی جہاں مرضیِ رب ہے پھر جیسے گزرتی ہو وہی عیش و طرب ہے
اللہ پہ توکّل سے سکوں دل میں عجب ہے (۱۲) جو لطف ہے قربت میں بھلا ہجر میں کب ہے!
شبیرؑ سے ملتا ہے مجھے قربِ الٰہی
وہ نورِ ہدایت ہیں سفینۂ خلاصی

سُن لو کہ جو معنی نہیں تو عمر اکارت معنی کا ہے انکار سزاوارِ حقارت
معنی کے بِنا چشم ہے محرومِ بصارت (۱۳) معنی سے جدا قلب میں عَنقا ہے حرارت
معنی سے ہی ہستی پہ پڑی رات سحر ہے
ورنہ سفرِ زیست اِدھر ہے نہ اُدھر ہے

دنیا سے پرے غیب پر ایمان ہے معنی سب اُس کی مشیّت ہے یہ عرفان ہے معنی
بے لوث کیا جائے جو احسان ہے معنی (۱۴) آخر میں نتیجہ ہے یہ ایقان ہے معنی
شبیرؑ میں معنی کا سمندر ہے سمایا
شبیرؑ علی الحق ہیں مجھے یہ نظر آیا

اک کھیل تماشہ نہیں تخلیق تمھاری یہ زیست نہیں ایک عبث وقت گزاری
اک مقصدِ اعلیٰ پہ ہے بنیاد ہماری (۱۵) منزل کی طرف ہے یہ جہاں جاری و ساری
منزل کا تجسس درِ شبیرؑ لے آیا
ادنیٰ سے مجھے جانبِ توقیر لے آیا

سر چشمۂ معنی کی ہے پہچان ضروری یہ عینِ بقا پی کے ہی ملتی ہے حضوری
شبیرؑ کی ہستی میں یہ تعبیر ہے پُوری (۱۶) شبیرؑ سمجھنے کی کرو جہدِ شعوری
افسوس تمھاری ہے بہت حدِّ نظر کم
سمجھے ہو مسرّت جسے وہ اصل میں ہے غم

ضدّی ہے مرا دل، نہیں لگتا ہے جہاں میں احساسِ اسیری ہے مجھے کون و مکاں میں
بس خواب ہے دنیا مری دانست و گماں میں (۱۷) گنتے ہو تو گن لو مجھے آشفتہ سراں میں
زنجیر کشا ، دل کا سکوں سبطِ نبیؐ ہیں
یہ ذریعۂ فیضان ہیں ، فیاض و غنی ہیں

میں چھوڑ کے جاؤں تو کہاں بابِ حسینؑ؟ دنیا میں نہیں ایک بھی ہم تابِ حسینؑ
گردُوں پہ فقط ایک ہے مہتابِ حسینؑ (۱۸) دیکھوں کسے آنکھوں میں ہے سیلابِ حسینؑ!
ہر وصف میں اُولیٰ ہے محمدؐ کا گھرانہ
ہر شان میں اونچا ہے محمدؐ کا گھرانہ

سردارِ جناں حق پہ ہیں جھوٹے ہیں مخالف باطل پہ کھڑے ، راہ سے بھٹکے ہیں مخالف
عِصیان کی زنجیر میں جکڑے ہیں مخالف (۱۹) بکھرے خس و خاشاک سے سستے ہیں مخالف
توبہ پہ جو ہنستے ہیں خطاکار ہیں ایسے
جو جھوٹ پہ پلتے ہیں ریاکار ہیں ایسے

بنتا نہیں ہاشمؑ کا امیّہ سے تقابل شہباز کا اک ننھّی سی چڑیا سے تقابل
الہام کا ہے حیلۂ دنیا سے تقابل! (۲۰) ممکن نہیں ادنیٰ کا ہو گھٹیا سے تقابل
نعمت ہیں حسینؑ اور یزید ایک سزا ہے
فرحت ہیں حسینؑ اور یزید آہ و بکا ہے

آنی ہے تو آ جائے بلا میری بلا سے سو حشر ہوں رستے میں بپا میری بلا سے
گھر بار بچا یا نہ رہا میری بلا سے (۲۱) یہ سر ہوا بھی تن سے جدا میری بلا سے
شبیرؑ کو دیکھو گے سدا تم مرے آگے
پاؤ گے نہ عباسؑ کبھی چھوڑ کے بھاگے

جب حاکمِ یثرب کے یہاں شاہؑ کھڑے تھے عباس پہ واضح تھا کہ حالات کڑے تھے
آوازِ حسینؑ پہ مدد کو وہ بڑھے تھے (۲۲) سر ابر سے اونچا تھا قدم اُن کے گڑے تھے
بیعت کا تقاضہ ہے مرے پیر کے نیچے
تنہا نہیں شبیرؑ ، میں موجود ہوں پیچھے

کربل کا سفر پیش ہے پہلی ہے یہ منزل کعبے کو لہو رنگ بنانے کو ہے باطل
شمشیر چلانے کو حرم آ گئے قاتل (۲۳) روکے گا اِنہیں کون یہاں لوگ ہیں بزدل
غازیؑ نہ رہے چپ کہ تھا یہ وقتِ شہادت
کعبے پہ چڑھے اور وہاں کی یہ خطابت

اس وقت زیارت کو تو آئے ہیں یہ صاحب سچ یہ ہے کہ کعبے پہ طواف اِن کا ہے واجب
خود حجرِ سیہ چوم لے اِن کو تو ہے صائب (۲۴) لیکن ہے مشیّت کہ چھپے ہوں یہ عجائب
جب موت ہے بچپن سے ہمیں کھیل کھلونا
تو غور کرو عزمِ جوانان ہے کتنا

اک دور تھا کفّار پیمبرؐ کے تھے دشمن تب تیغِ علیؑ ظلمِ قریشی پہ تھی قدغن
شبیرؑ کا ایسے ہی محافظ ہے یہ تن من (۲۵) شہباز ہوں نخچیر کروں گا تمھیں فوراً
ہمّت ہے تو شبیرؑ سے پہلے میں ہدف ہوں
دعوت ہے کھلی آج میں شمشیر بکف ہوں

گویا ہوئے شبیرؑ چلو اے مرے عباسؑ کربل کی طرف کوچ کرو اے مرے عباسؑ
اللہ کے رستے پہ بڑھو اے مرے عباسؑ (۲۶) اب ساتھ جیو ساتھ مرو اے مرے عباسؑ
پھر ہاتھ لیا ہاتھ میں بولے مرے بھائی
اماں کی دعائیں تھیں جو قسمت تمھیں لائی

گرتا ہے فلک سر پہ ، تپاں ارضِ وطن ہے اک اژدرِ سفّاک اٹھائے ہوئے پھن ہے
یہ تخت نشینی کی روِش دین شکن ہے (۲۷) تھی جس کی خبر ، آج وہی دورِ فتن ہے
میں قطرہِ اوّل ہوں برسنا ہے مجھے اب
شعلہ ہوں اندھیرے میں بھڑکنا ہے مجھے اب

چبھتے ہیں سوالات تو پوچھو مرے بھائی خاموش ہیں کیوں لب اِنہیں کھولو مرے بھائی
دل میں ہے کوئی بات تو کہہ دو مرے بھائی (۲۸) مجھ سے جو سمجھنا ہے وہ سمجھو مرے بھائی
غازی نے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو کھڑا ہوں
اوقات مری کیا جو میں کچھ آپ سے پوچھوں

شبیرؑ یہ بولے کہ مرا پاس تمھیں ہے اللہ کی مرضی کی بہت پیاس تمھیں ہے
مالک سے عطا صبر بہت خاص تمھیں ہے (۲۹) ہم دردی و دل جوئی کا احساس تمھیں ہے
میں تم کو بتاتا ہوں اب اسرار و حقیقت
یہ وقتِ سعادت ہے کہ آئی ہے مصیبت؟

میں دیکھتا ہوں وقت جب اٹھیں گے سوالات الکیمیا جانچے گی عناصر کے کمالات
ذرّات کو باندھے کی شکنجے میں طبیعات (۳۰) اسرار کشا ہوں گی ریاضی کی مُساوات
تاریخ میں پھر چھان پھٹک ہو گی ہماری
منطق کی کٹھالی میں پرکھ ہو گی ہماری

دیکھیں گے وہ کمسن علی اصغرؑ نے کِیا کیا سمجھیں گے حسینؑ اور بہتّر نے کِیا کیا
بازو بِنا عباسِؑ دلاور نے کِیا کیا (۳۱) اک لشکرِ مغرور کو بے پر نے کِیا کیا
میں چاہتا ہوں لوگ سوالات اٹھائیں
تحریفِ امیّہ کے وہ دھوکے میں نہ آئیں

اک دور میں جنگوں کا اُنھیں سامنا ہو گا پھر اسوہِ شبیرؑ کو پہچاننا ہوگا
غازیؑ سے شجاعت کا علَم تھامنا ہو گا (۳۲) اللہ ہمیں کافی ہے اسے ماننا ہو گا
قصّے مرے خوابیدہ کو بے خواب کریں گے
مغلوب کو عباسؑ ظفر یاب کریں گے

تم واقفِ دیں ، عارفِ مفہوم ہو غازیؑ تم علم کے میدان کے مخدوم ہو غازیؑ
تم نامِ ذکا ، فہم سے موسوم ہو غازیؑ (۳۳) تم حیدرِؑ کرّار کے ماموم ہو غازیؑ
اب فلسفہ اخلاص کا دنیا کو سکھاؤ
اک زاویۂ حرّیت عالم کو دکھاؤ

عباسؑ یہ کہتے تھے مری جاں ہو نچھاور میں فیضِ حسینؑ سے ہوں عباسِؑ دلاور
مولا کا کرم ہے جو میں لگتا ہوں قد آور (۳۴) کیا وعظ کرے آپ کا یہ بندۂ احقر
قرآن سے سیکھا ہے بس اللہ کا ڈر ہو
شبیرؑ سے سیکھا ہے کہ آہن کا جگر ہو

چلتا رہا وہ قافلہ سائے میں علَم کے جاتے تھے مصیبت کو پلے ناز و نِعم کے
گُل مل کے بہتّر تھے نفر شاہِؑ امم کے (۳۵) مشتاق تھے وہ لوگ مقابل ہوں ستم کے
سہمی تھیں نبیؐ زادیاں ، بچّے تھے ہراساں
اشکوں کو دَبائے ہوئے زینبؑ تھیں پریشاں

شبیرؑ کی غربت پہ مگر اشک نکلتے حالات کا ایسا تھا اثر اشک نکلتے
پڑتی تھی جو بچوں پہ نظر اشک نکلتے (۳۶) جب دیکھتی پہنچے ہیں کدھر اشک نکلتے
اور اشک نکلتے تھے عبادت میں خدا کی
دن رات گزرتے تھے عبادت میں خدا کی

تسکین کوئی تھی تو وہ غازی کی بدولت یہ مان تھا زینبؑ کو ہیں یہ ضامنِ حرمت
غربت میں علمدارؑ ہیں شبیرؑ کی ہمت (۳۷) سائے میں علَم کے نہیں پہنچے گی تمازت
اب کرب و بلا قافلہ شبیرؑ کا پہنچا
کٹنے کے لیے سلسلہ شبیرؑ کا پہنچا

غازیؑ نے خیام علقمہ کے پاس لگائے اطفال کو شفقت سے بھرے جام پلائے
بہنیں جو پریشان تھیں دل اُن کے بڑھائے (۳۸) صِفّین کے حالات جوانوں کو سنائے
پھر حر نے کہا نہر سے خیموں کو ہٹاؤ
یہ حکم ہے شبیرؑ کو اب گھیر کے لاؤ

خیموں کو ہٹایا کہ تھی یہ فہمِ حسینؑ غصّے کو بجھایا کہ تھی یہ فہمِ حسینؑ
حرؑ لوٹ کے آیا کہ تھی یہ فہمِ حسینؑ (۳۹) سینے سے لگایا کہ تھی یہ فہمِ حسینؑ
سختی میں گزرتا تھا محرّم کا مہینہ
سینے کو جکڑتا تھا محرّم کا مہینہ

آیا تھا وہاں شمر تو کی شمر پہ لعنت تھا دشمنِ جاں شمر تو کی شمر پہ لعنت
لایا تھا اماں شمر تو کی شمر پہ لعنت (۴۰) دیتا تھا زباں شمر تو کی شمر پہ لعنت
فرمانِ اماں مجھ کو نہیں چاہئے تیرا
جیتا رہوں میں قتل ہو بھائی یہاں میرا!

کہتے تھے یہ شبیرؑ چراغوں کو بجھا کر تم لوگ چلے جاؤ کہیں جان بچا کر
لے جاؤ میرے گھر سے کوئی ساتھ ملا کر (۴۱) دیتا ہوں سند خلد کی بیعت کو اٹھا کر
اب مثلِ اسد چہرۂ عباسؑ ہوا تھا
سینے پہ رکھے ہاتھ یہ غازی نے کہا تھا

جینے میں رکھا کیا ہے اگر آپ نہیں ہیں سب جھوٹ ہے، مایا ہے اگر آپ نہیں ہیں
نقصان کمایا ہے اگر آپ نہیں ہیں (۴۲) کچھ ہاتھ نہ آیا ہے اگر آپ نہیں ہیں
اللہ مجھے آپ کی فرقت نہ دکھائے
ایسے کبھی جینے کی مصیبت نہ دکھائے

عباسؑ کے ماں جائے تھے تینوں ہوئے فدیہ اُس روز تھا آنکھوں سے رواں خون کا دریا
بیٹوں کے بھی مرنے پہ کیا آپ نے گریہ (۴۳) کہتے تھے یہ صدقہ تھا کہ جیتے رہیں بھیا
پروا نہیں اس راہ میں ہم جان سے جائیں
یہ سر تو ہمیں بوجھ ہے سو بار کٹائیں

سقّائے سکینہؑ پہ قیامت کی گھڑی تھی کوزہ لیے ہمراہ وہ بچوں کے کھڑی تھی
رخسار پہ سوکھے ہوئے اشکوں کی لڑی تھی (۴۴) ننّھے سے دلوں پر بڑی افتاد پڑی تھی
غازی کے دلاسوں سے بہلتے نہ تھے بچے
سقّائی کے وعدوں سے بہلتے نہ تھے بچے

شبیرؑ کی خدمت میں پھر عباسؑ کھڑے تھے مرنے کی اجازت کے طلب گار بنے تھے
نیچی تھی نظر آپ کی اور ہاتھ بندھے تھے (۴۵) رک رک کے سسکتے ہوئے کچھ لفظ کہے تھے
جس نے کبھی مانگا نہیں اب ہے وہ سوالی
دے دیں جو اجازت تو میسر کروں پانی

تم لشکرِ شبیرؑ کے سالار ہو عباسؑ اب تم ہی مصیبت میں مددگار ہو عباسؑ
ہاتھوں کے کھلائے مرے دلدار ہو عباسؑ (۴۶) کیا عمر ہے مرنے پہ جو تیار ہو عباسؑ؟
عباسِؑ علم دار کو جانے نہیں دوں گا
بھائی پہ کبھی موت کو آنے نہیں دوں گا

اب کس کا علمدار ہوں لشکر نہیں باقی مسلمؑ نہیں ، قاسمؑ نہیں ، اکبرؑ نہیں باقی
میں جی کے کروں کیا کوئی دلبر نہیں باقی (۴۷) میں ایک بچا کیوں ہوں اکہتر نہیں باقی
خواہش ہے کہ اب جان سے جائے یہ دل افگار
اب آپ سے رخصت کا یہ عاجز ہے طلب گار

مرنے پہ ہو تیار تو جاؤ ہے اجازت بے چین ہو جس کے لیے پا لو وہ شہادت
اب چادرِ زینبؑ کی رہے گی نہ ضمانت (۴۸) اور ننّھی سکینہؑ پہ روا ہو گی شقاوت
پانی کی اگر ہو سکے تو راہ نکالو
تم مَشک سے بچوں کی مرے پیاس بجھا دو

رن میں گئے کہتے ہوئے غازیؑ نہیں ڈرتا دیکھو گے ابھی نہر چھڑا لے گا یہ سقّا
کھینچی ہوئی تیغوں کو نہیں کچھ میں سمجھتا (۴۹) جاں سبطِؑ نبیؐ پر فدا عباسؑ ہے کرتا
سہمے ہوئے فوجی تھے کہ عباسؑ ہیں آئے
حیدرؑ کے بہادر پسرِ خاص ہیں آئے

وہ غیظِ غضنفر تھا کہ غازیؑ کا غضب تھا عباسِؑ دلاور کا ہر اک وار عجب تھا
اُمڈی ہوئی فوجوں کے بکھرنے کا سبب تھا (۵۰) گاڑا ہوا فاتح کا علم نہر پہ اب تھا
چلّو سے بہاتے ہوئے پانی کو کہا یہ
کیسے پیئے عباسؑ جو بچے ہوں پیاسے

پانی لیے جاتے تھے فرس برقِ رواں تھا یہ مَشک پہنچ جائے یہی مقصدِ جاں تھا
بھاگا تھا جو لشکر وہ پھر اک بار وہاں تھا (۵۱) شمشیر ، سِناں ، گُرز ، کہیں تیر کماں تھا
شانوں پہ کیا وار عدو نے پھر عقب سے
اب مشک تھی دانتوں میں کٹے ہاتھ تھے جب سے

ہاتھوں کے بِنا زین پہ بیٹھا رہا اسوار کہتے تھے ذرا ڈر نہیں اب جو کریں کفار
حامی نبیؐ مختار ہوں ، راضی رہے جبار (۵۲) قاطع مرے ہاتھوں کا ہو اللہ کرے فی النار
پھر ناگہاں اک تیر ہوا مَشک میں پیوست
پیاسا رکھے بچوں کو جو ایسا تھا عدو پست

اک آنکھ میں ناوک تھا پھر اک دل میں لگا تھا مجروح بدن زِین سے ریتی پہ گرا تھا
گرتے ہوئے ہاتھوں کا سہارا نہ ملا تھا (۵۳) جو آنکھ میں اک تیر تھا اُن سے نہ کھچا تھا
مولا مرے آ جایئے عباسؑ ہے بے دم
اک گرز لگا سر پہ ہے اب وقت ہے کچھ کم

کر دیجیے آنکھوں سے لہو صاف تو دیکھوں چہرے کی زیارت کا میں مشتاق بہت ہوں
اچھّا ہے رہے اب مرا لاشہ تہہِ گردُوں (۵۴) آتی ہے مجھے لاج میں بے آب نہ لوٹوں
سہلا رہے شبیرؑ تھے عباسؑ کے سر کو
لگتا تھا کہن سامنے ہاشمؑ کے قمر کو

عباس! مرے بھائی ، مری آنکھ کے تارے اے لعل ابھی دن نہیں مرنے کے تمھارے
بیٹھا ہوں میں تم کیوں ابھی دنیا سے سدھارے (۵۵) ٹوٹی ہے کمر کیا کروں اے دل کے سہارے
اے بابِ حوائج ، مرے غازی ، مرے عباسؑ
اک بار تو بھائی کہو دل میں ہے بڑی آس

مختصر غیر مطبوعہ مرثیے

عسکری عارفؔ

درحال واپسیِ مدینہ

چھوٹ کر قیدِ مصیبت سے حرم آئے ہیں (۱) نوحہ کرتے ہوئے بادیدۂ نم آئے ہیں
کرکے تاریخ اسیری کی رقم آئے ہیں کشتۂ دہرِ جفا ، کشتۂ غم آئے ہیں
سب پہ طاری وہی کیفیتِ زندانی ہے
صاف چہروں سے عیاں غم کی فراوانی ہے

مضطرب حال ، اسیرانِ بلا آئے ہیں (۲) سوگوارانِ شہیدانِ جفا آئے ہیں
لُٹ کے پردیس سے خاصانِ خدا آئے ہیں غل مدینے میں ہے کہ آلِ عبا آئے ہیں
گزرے ایّام کے احساس سے تھرّاتے ہیں
اشک بے ساختہ آنکھوں سے گِرے جاتے ہیں

مقصدِ حضرتِ شبیرؑ بچا لائے ہیں (۳) حُرمتِ چادرِ تطہیر بچا لائے ہیں
دین کی دائمی تصویر بچا لائے ہیں یعنی اسلام کی توقیر بچا لائے ہیں
شام میں لاشۂ بیعت کو کچلنے والے
جیت کر آئے رہِ خار پہ چلنے والے

حادثے ایسے ہوئے جنکا ازالہ ہی نہیں (۴) ضبط کیسے ہو کوئی چاہنے والا ہی نہیں
جس پہ نازاں تھے وہی گیسوؤں والا ہی نہیں گھر میں کیا جائیں کہ اب گھر کا اُجالا ہی نہیں
کھا کے پیکان و سناں خاک کا پیوند ہوئے
جن سے آباد تھا گھر ، قتل وہ فرزند ہوئے

گھر سے نکلے تھے تو وہ نورِ نظر سامنے تھے (۵) لختِ دل ، لختِ جگر وقتِ سفر سامنے تھے
خانۂ ہاشمی کے شمس و قمر سامنے تھے چمنِ بنتِ نبیؐ کے گُلِ تر سامنے تھے
تپتی ریتی پہ ہر اک غنچہ دہن سوکھ گیا
بندشِ آب سے زہراؑ کا چمن سوکھ گیا

ہائے کیا شان تھی جب گھر سے سفر کو تھے چلے (۶) تھے ضمانت میں علمدارؑ کے پرچم کے تلے
ہنستے ، کلکاریاں بھرتے ہوئے گودی کے پلے چمنِ فاطمہؑ کے پھول تھے سب پھولے پھلے
روزِ عاشور مگر ظلم عجب تر دیکھا
رن میں بکھرا ہوا شبیرؑ کا لشکر دیکھا

چاک داماں ہیں حرم ، چاک گریباں ہیں حرم (۷) سوختہ جاں ہیں حرم ، غم سے ہراساں ہیں حرم
ایک مدّت سے فقط کرب کا عنواں ہیں حرم مضمحل ، غم زدہ و زار و پریشاں ہیں حرم
دور پردیس میں وہ ظلم و ستم ٹوٹ گیے
دم بدم کرتے ہیں فریاد کہ ہم ٹوٹ گیے

بنِ حنفیّہ نے عابدؑ کو لگایا جو گلے (۸) شدّتِ درد سے سجادؑ حزیں چیخ اٹھے
رو کے عابدؑ یہ چچا جان سے فرمانے لگے طوق کے زخم نہیں ہیں مری گردن کے بھرے
کُھل نہ جائیں کہیں گردن کے یہ گھاؤ عمّو
مجھ کو آہستہ گلے اپنے لگاؤ عمّو

راہِ تشہیر کی مجبور مسافر زینبؑ (۹) آ گئی چھوٹ کے زندان سے آخر زینبؑ
جس گھڑی قبرِ نبیؐ پر ہوئی حاضر زینبؑ ہائے ناناؐ کہا ، تربت پہ گئی گر زینبؑ
بولی اُمّت نے دیا اجرِ رسالت ناناؐ
روند ڈالی گئی مقتل میں امامت ناناؐ

جس گھڑی قبر پہ شبیرؑ کا عمّامہ رکھا (۱۰) مرقدِ حضرتِؐ سرکارِ دو عالم لرزا
قبرِ احمدؐ سے برابر یہی آتی تھی صدا مجھ کو معلوم ہے جو تم پہ ہوئی جور و جفا
کب فقط دشت میں سرورؑ کا گلا کاٹا گیا
کُند خنجر سے پیمبرؐ کا گلا کاٹا گیا

ختم کر مرثیہ عارفؔ کہ نہیں دل کو قرار (۱۱) دُکھ سہے آلِؑ نبیؐ نے جو نہیں اُنکا شمار
یوں لُٹا عالمِ غربت میں نبیؐ کا گُلزار گُلشنِ احمدِ مُرسل میں نہ پھر آئی بہار
قیدِ زنداں سے رہا ہوکے تو آئے سادات
قفسِ غم سے مگر چھوٹ نہ پائے سادات

مرثیہ درحال اسیریِ اہلِ حرم

اے مومنو رقم ہے مصائب وہ پُر الم جس وقت آئے شام کے بازار میں حرم
قیدی ، غریب و ناتواں پابندِ رنج و غم (۱) بالوں سے اپنے منھ کو چھپائے بچشمِ نم
مجمع تھا شامیوں کا عجب اہتمام تھا
خاموش سر کو اپنے جھکائے امامؑ تھا

چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے تماشبیں بدکار و بدخصال و بد اطوار وہ لعیں
اہل حرم کھڑے تھے جھکائے ہوئے جبیں (۲) ہنستے تھے دیکھ دیکھ کے اُنکو منافقیں
کچھ بھی نہ احترام کیا آلِ نور کا
صدقہ اچھالتے تھے حرمؑ پر کھجور کا

مجمع تھا اس قدر کہ نہ چلنے کی راہ تھی زین العبّا کی شرم سے حالت تباہ تھی
عابدؑ کے واسطے یہ زمیں قتل گاہ تھی (۳) نیزوں پہ سر بریدہ حسینیؑ سپاہ تھی
اِس غم سے بچ نکلنے کا چارہ کوئی نہ تھا
بیمار و بے وطن کا سہارا کوئی نہ تھا

زینبؑ کے سر پہ جب گئی شبیرؑ کی نظر رونے لگا سناں پہ سرِ شاہِؑ بحر و بر
آئی صدا حسینؑ کی زینبؑ تو صبر کر (۴) ہمّت نہ ٹوٹے تیری بہن اِس محاذ پر
اُمّت کے حق میں بددعا ہرگز نہ کیجیو
اِس وقت صبر و شکر سے تم کام لیجیو

بولیں یہ سن کے ثانیِ زہراؑ بصد ادب بھیّا تمھارے واسطے میرا نثار سب
آئی ہوں سر برہنہ میں بلوے میں اِس سبب (۵) باقی رہے شریعت و دینِ شہؐ عرب
میں بددعا کو ہاتھ نہ ہرگز اٹھاؤں گی
بے پردہ ہی یزید کے دربار جاؤں گی

بازار سے تھا چند قدم قصر شام کا لیکن ہجوم ایسا تماشائیوں کا تھا
ملتا نہ تھا اسیروں کو چلنے کا راستہ (۶) بارہ پہر میں پہنچا ہے دربار قافلہ
ہر اک قدم پہ اہلِ ستم سے جدال تھا
اہلِ حرمؑ کا سانس بھی لینا محال تھا

اہلِ عزا سنو یہ ذرا تھام کے جگر بارہ گلوں کو ایک ہی رسی میں باندھ کر
قصرِ ستم میں کھینچ کے لے آئے اہلِ شر (۷) لائے گیے غلاموں کی مانند نوحہ گر
بالی سکینہؑ کہتی تھی پیہم مدد کرو
رسی سے گھُٹ رہا ہے مرا دم مدد کرو

پہنچی ہیں جبکہ قصرِ ستمگر میں بیبیاں بے پردہ آلِ مصطفیٰؐ ، پابندِ ریسماں
بیٹھا ہوا تھا تخت پہ ملعون و بدگماں (۸) کُرسی نشین سیکڑوں موجود تھے وہاں
آنکھوں میں آنسوؤں کا سمندر رکھے ہوئے
اہلِ حرم دلوں پہ تھے پتّھر رکھے ہوئے

لیتا تھا نامِ زینبؑ و کلثومؑ جب لعیں سیدانیوں کے چہروں کو تکتے تھے اہلِ کیں
غم سے نڈھال ہوتے تھے سجادؑ دل حزیں (۹) غیرت سے زرد ہوتی تھی بیمار کی جبیں
زینبؑ سے ہمکلام شرابی یزید تھا
اس بات کا امامؑ کو صدمہ شدید تھا

ہونٹوں پہ مارتا تھا چھڑی شہؑ کے بدشعار کرتا تھا مدح اپنے بزرگوں کی بار بار
کہتا تھا میری جیت ہوئی اور تمھاری ہار (۱۰) تھے اہلِ بیتؑ دیکھ کے منظر یہ اشکبار
بولے چھڑی نے مار یہ زہراؑ کا چین ہے
ہونٹ اِسکے چومتے تھے نبیؐ ، یہ حسینؑ ہے

بولا یزیدِ نحس ہوئے تم ذلیل و خوار عزت ہماری اور ہمارا ہے اقتدار
خوش ہوں گے آج ہم سے ہمارے بزرگوار (۱۱) آیا ہے باپ دادا کی روحوں کو اب قرار
کاٹا گیا جو سر پسِ گردن حسینؑ کا
بدلہ لیا ہے ہم نے یہ بدر و حنین کا

کرتا ہوں ختم مرثیہ عارفؔ بحالِ زار بے پردگیِ اہلحرمؑ کا ہوں سوگوار
اِس غم سے دل ملول ہے آنکھیں ہیں اشکبار (۱۲) آلِ نبیؐ پہ یوں تو ہوئے ظلم بے شمار
لیکن اسیری اُنکی قیامت سے کم نہیں
بے پردگی کے غم سے بڑا کوئی غم نہیں

مرثیہ درحال چہلم شہدائے کربلا

زنداں سے چھُٹ کے کرب و بلا آئے جب حرم پہنچے ہیں جب شہیدوں کی تربت پہ اہلِ غم
اشکوں سے تربتوں کو کیا وارثوں کی نم (۱) روتے تھے یوں کہ تن سے نکلنے لگا تھا دم
عباسؑ و اکبرؑ و علی اصغرؑ کی قبر پر
گریہ کناں تھے سبطِؑ پیمبرؐ کی قبر پر

لیلیٰؑ جو پہنچی قبر پہ اپنے جوان کی لپٹی لحد سے اور یہ آواز رو کے دی
اکبرؑ اٹھو کہ اماں رہا ہو کے آ گئی (۲) بیٹا تمھارے بعد ہے برباد زندگی
اکبرؑ ترے بغیر وطن کیسے جاؤں گی
تا عمر تیری یاد میں آنسو بہاؤں گی

اے میرے دل کے چین مرے نوجواں پسر آنکھوں کے نور اے میری تسکینِ جاں پسر
اماں کو اپنی قبر میں دیدو اماں پسر (۳) بن تم بتاؤ جائے یہ مادر کہاں پسر
تم سے لپٹ کے حال سفر کا سناؤں گی
اٹھو تمھارے سینے پہ مرہم لگاؤں گی

بانوؑ تھی قبرِ اصغرؑ گل رو پہ اشکبار روتی تھی پیٹ کر سر و سینہ وہ دلفگار
روکر پکاری اے مرے ششماہے شیرخوار (۴) اُٹھو کہ اماں آئی ہے کرنے کو تم کو پیار
ہاتھوں کو اپنے جھولا بناکر جھلاؤں گی
اصغرؑ میں تم کو لوری سناکر سلاؤں گی

سوتے ہو کیسے خاک کے اندر اے گلبدن یہ ریگزار تپتا ہوا ، اور اجاڑ بن
تم کو بھی مل نہ پایا مرے لاڈلے کفن (۵) کیا نہ چلو گے ساتھ میں اماں کے تم وطن
اِس سن میں میرے مہ لقا تم گھر کو چھوڑ کر
سوئے ہو کیسے دشت میں مادر کو چھوڑ کر

قاسمؑ کی قبر پر تھا یہ فرواؔ کا مرثیہ آئی ہوں لٹ کو بے سر و سامان ، غمزدہ
بیٹا تمھارے بعد مرا کچھ نہیں بچا (۶) تقسیم زندگی میں ہوئے ہائے غربتا
تا عمر اب یہ سوچ کے دل پاش پاش ہے
ٹکڑوں میں زیرِ ریگ تپاں تیری لاش ہے

قاسمؑ تمھارے بعد ہوئی ماں برہنہ سر اِس حال میں پھرائے گیے ہم اِدھر اُدھر
رکھا گیا تھا نوکِ سناں پر تمھارا سر (۷) سر پر تمھارے پڑتی تھی جب بھی مری نظر
پھٹتا تھا دل ، غموں سے بدن سرد ہوتا تھا
آنکھوں سے اشک بہتے تھے ، منھ زرد ہوتا تھا

عابدؑ سے بولیں زینبؑ مضطر بچشمِ تر بیٹا بتاؤں تربتِ عباسؑ ہے کدھر
عابدؑ پھوپھی کو لائے پھر اک ننّھی قبر پر (۸) بولیں جگر کو تھام کے مغموم نوحہ گر
میں مانتی نہیں کہ دلاور کی قبر ہے
سجّاد یہ تو ننّھے سے اصغرؑ کی قبر ہے

سُن کر سُخن پھوپھی کے تھے سجادؑ اشکبار روتے تھے سر کو پیٹ کے بیمار زار زار
بولے پھوپھی یہ قبر ہے عمو کی ہوشیار (۹) صدمہ سے دل کو تھام کے بولی وہ غمگسار
تقسیم ہوکے شہؑ کا وفادار رہ گیا
ٹکڑوں میں بٹ کے میرا علمدار رہ گیا

قبرِ اخی پہ بولی یہ روکر بہن حسینؑ تشنہ دہن حسینؑ ، غریب الوطن حسینؑ
لوٹا ہے ظالموں نے ترا پیرہن حسینؑ (۱۰) عریاں پڑا تھا ریگِ تپاں پر بدن حسینؑ
جکڑی تھی بازوؤں میں رسن ، میں نہ دے سکی
بھیّا مُعاف کرنا کفن میں نہ دے سکی

روئی ہر ایک مقام پہ زہراؑ کی لاڈلی لیکن نہ اپنے بیٹوں کی تربت پہ آہ کی
دو چھوٹی چھوٹی قبروں کو حسرت سے تکتی تھی (۱۱) بیٹھی ہوئی مزار پہ کہتی رہی یہی
بھیّا کو اور اُنکے دلاروں کو روؤں گی
میں فاطمہؑ کی گود کے پالوں کو روؤں گی

گھیرے ہوئے تھے تربتِ شبیرؑ کو حرم لیلیٰؑ ربابؑ گرتی تھیں غش کھا کے دمبدم
منھ رکھ کے قبرِ شاہؑ پہ بولیں بصد الم (۱۲) برباد ہو گئے مرے سرکار اب تو ہم
اُجڑی ہماری گود ، سہارے بچھڑ گیے
جنگل میں اپنے راج دلارے بچھڑ گیے

کس منھ سے جائیں اب سوئے یثرب شکستہ حال قاسمؑ کی لاش ہو چکی جنگل میں پائمال
سینہ فگار سوتا ہے کڑیل جوان لعل (۱۳) گردن چھدا کے سو گیا اصغرؑ سا نونہال
دل غم سے چاک چاک ہیں احساس مر گیے
جائیں وطن بھی کیسے کہ عباسؑ مر گیے

نالاں تھے ایسے اہلِ حرم روزِ اربعیں لرزاں تھی شورِ نالہ و فریاد سے زمیں
رکھتے تھے سر پہ خاک کبھی خاک پر جبیں (۱۴) عارفؔ جگر میں ضبط کی قوت بھی اب نہیں
تھکتے تھے رو کے تب کہیں خاموش ہوتے تھے
آلِ نبیؐ مزاروں پہ بے ہوش ہوتے تھے

تعشقؔ کے مرثیے
(جلد اوّل)
زیرِ طبع
ترتیب وتدوین
اصغر مہدی اشعر

تعشقؔ کے مرثیے
(جلد دوم)
زیرِ طبع
ترتیب وتدوین
اصغر مہدی اشعر

اشاریۂ دبیرؔ
زیرِ طبع
ترتیب وتدوین
اصغر مہدی اشعر

علمِ عروض پر خدائے سخن مرزا سلامت علی دبیرؔ کے اقتدارِ کامل کا ایک اجمالی تذکرہ

عامر الرضوی

بعد از حمد و نعت و پس از منقبت ممدوحین الہ ارباب نقد و بصیرت پر یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح منکشف ہے کہ شاعری محض الفاظ کی رنگین آرائش یا خیالات کی پراگندگی کا نام نہیں، بلکہ ایک ایسا مقدس فن ہے جس کی بنیاد میزان، اعتدال، تناسب اور آہنگ پر قائم ہے، اور اس میزانِ فن کا نام علمِ عروض ہے۔ جس طرح عالمِ اجسام میں ہر سیارہ اپنے مدار سے ایک بال برابر تجاوز نہیں کرتا، اسی طرح عالمِ سخن میں ہر لفظ، ہر ہجا، ہر رکن اور ہر بحر اپنی مقررہ حد سے تجاوز کرے تو عمارتِ شعر منہدم ہو جاتی ہے۔

مگر قدرت بعض بندگانِ خاص کو ایسا ملکہ عطا فرماتی ہے کہ قواعد ان کے محتاج اور ضوابط ان کے تابع دکھائی دیتے ہیں۔ انہی نفوسِ قدسیہ میں ایک نام، جس پر اہلِ ادب کی پیشانیاں تعظیم سے جھک جاتی ہیں، حضرتِ مرزا سلامت علی دبیرؔ کا ہے؛ وہ ذاتِ والا صفات کہ جس کے حق میں ''خدائے سخن'' کا لقب محض مبالغۂ مدح نہیں بلکہ اعترافِ حقیقت ہے۔

دبیرؔ نے علمِ عروض کو صرف درسگاہوں کی کتابوں سے اخذ نہیں کیا، بلکہ اپنے ذوقِ سلیم، فطرتِ مستقیم اور قریحۂ وقّاد سے اس کے دقائق و غوامض کو اس درجہ منکشف کیا کہ گویا بحورِ شعر ان کے سامنے دست بستہ حاضر رہتی تھیں۔ بحرِ متقارب ہو کہ جس میں حماسہ اپنی شمشیر سنبھالتا ہے، بحرِ کامل ہو کہ جس میں جلال اپنی شوکت دکھاتا ہے، بحرِ رمل ہو کہ جس میں حزن و ملال اشکوں کی صورت ڈھلتا ہے، یا بحرِ ہزج ہو کہ جس میں نغمگی اپنی لطافت بکھیرتی ہے، ہر بحر ان کے قلم کی جولان گاہ تھی۔

اہلِ فن جانتے ہیں کہ علمِ عروض کے محض ارکان ازبر کر لینا استادی نہیں، بلکہ اصل کمال یہ ہے کہ شاعر اپنے تصرفِ کامل سے بحر کو ایسا تابع کر لے کہ قاری کو قواعد کا احساس ہی نہ ہو۔ دبیرؔ کا یہی وہ امتیاز ہے جس نے انہیں صفِ اوّل کے سخنوروں میں ممتاز و منفرد کر دیا۔ ان کے اشعار میں وزن دکھائی نہیں دیتا، بلکہ سانس لیتا ہے؛ بحر سنائی نہیں دیتی، بلکہ دل کی دھڑکن بن جاتی ہے؛ اور آہنگ محسوس نہیں ہوتا، بلکہ روح کے تاروں میں ارتعاش پیدا کر دیتا ہے۔

یہ کہنا ہرگز خلافِ واقع نہیں کہ دبیرؔ کے قلم کی رفتار، عروض کے میزان سے اس طرح ہم آہنگ تھی جیسے آفتاب کی شعاعیں نور سے یا دریا کی موجیں اپنے بہاؤ سے۔ کبھی ایسا محسوس نہیں ہوتا کہ شاعر نے وزن کو نبھانے کے لیے لفظ تراشا ہو؛ بلکہ ہر لفظ یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا ازل ہی سے اسی مقام کے لیے مقدر تھا۔

ان کے مراثی میں جب ذکرِ میدانِ کربلا آتا ہے تو بحور کی ہیئت نیزوں کی قطار، شمشیروں کی جھنکار اور گھوڑوں کی یلغار کا منظر پیش کرتی ہے۔ اور جب شہادتِ شہزادگانِ رسولؐ کا تذکرہ شروع ہوتا ہے تو وہی بحر اشکوں کی روانی، آہوں کی سوزش اور دلوں کی شکستگی کا آئینہ بن جاتی ہے۔ یہی تصرفِ عروض ہے، یہی اقتدارِ فن ہے، یہی وہ اعجاز ہے جو ہر کس و ناکس کے حصے میں نہیں آتا۔

دبیرؔ کے ہاں قافیہ محض لفظی صنعت نہیں بلکہ معنوی حسن کا محافظ ہے؛ ردیف محض تکرار نہیں بلکہ نغمۂ احساس کی بازگشت ہے؛ اور بحر محض وزن نہیں بلکہ مضمون کی روح کا لباس ہے۔ ان کا ہر مصرع اس امر کا گواہ ہے کہ شاعر نے پہلے معنی کو دل میں اتارا، پھر اس معنی کے شایانِ شان بحر کو منتخب کیا، اور آخر میں الفاظ کو اس حسنِ ترتیب سے آراستہ کیا کہ صنعت بھی سادگی معلوم ہونے لگے۔

یہی وجہ ہے کہ دبیرؔ کے مراثی میں کہیں تصنع نہیں، کہیں تکلف نہیں، کہیں وزن کا بوجھ نہیں، کہیں لفظی گرہ نہیں۔ سب کچھ اس قدر رواں، اس قدر لطیف اور اس درجہ فطری ہے کہ گویا چشمۂ کوثر بہہ رہا ہو، یا نسیمِ سحر گلشنِ معنی میں خاموشی سے گزر رہی ہو۔

اربابِ تحقیق نے بجا فرمایا ہے کہ جس شاعر کو علمِ عروض پر کامل دسترس نہ ہو، وہ کبھی زبان کے شہنشاہوں میں شمار نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اردو میں کسی ایک شاعر کی مثال دی جائے جس نے عروض کو اپنی طبیعتِ ثانیہ بنا لیا، تو وہ بلاشبہ مرزا سلامت علی دبیرؔ ہیں۔ ان کے ہاں بحر محکوم ہے، وزن مطیع ہے، قافیہ فرمانبردار ہے اور الفاظ غلامانِ دربار کی طرح صف بستہ کھڑے نظر آتے ہیں۔

دبیرؔ کی شاعری اس حقیقت کی زندہ تفسیر ہے کہ جب فن، فطرت میں جذب ہو جائے تو قواعد، زنجیر نہیں رہتے بلکہ پرواز کے پر بن جاتے ہیں۔ یہی وہ ملکہ تھا جس نے انہیں اردو مرثیے کا تاجدار، میدانِ سخن کا شہسوار اور علمِ عروض کا بے تاج سلطان بنا دیا۔

پس اگر تاریخِ ادب کے اوراق کو انصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ حقیقت آفتابِ نیم روز کی طرح روشن ہو گی کہ مرزا سلامت علی دبیرؔ نے نہ صرف مرثیہ کو معراجِ کمال تک پہنچایا بلکہ علمِ عروض کو بھی اپنے اعجازِ قلم سے ایسی حیاتِ جاوداں عطا کی کہ جب تک اردو زبان کا چراغ فروزاں رہے گا، دبیر کا نام، ان کی بحور کا آہنگ، ان کے اوزان کی شان اور ان کے فن کی ہیبت اربابِ ذوق کے دلوں میں زندہ رہے گی، اور اہلِ ادب پوری جرأت کے ساتھ کہتے رہیں گے کہ:

''عروض اگر میزانِ شعر ہے تو دبیرؔ اس میزان کے ایک عظیم امین ہیں۔''

❁❁❁❁

www.emarsiya.com

دنیا کی سب سے بڑی ڈیجیٹل مرثیہ لائبریری جہاں آپ انیسؔ و دبیرؔ کے مکمل مطبوعہ مراثی کے علاوہ ۳۲۰ مرثیہ نگاروں کے ۴۰۰۰ سے زائد مراثی حاصل کر سکتے ہیں۔ سوز خواں خواتین و حضرات کے لیے بستۂ سوز خوانی کا بھی انتظام ہے۔ اگر آپ مزید مراثی اس ویب سائٹ پر شامل کرنا چاہیں تو اس ای میل پر رابطہ کریں۔ faroghemarsiya@gmail.com